مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ

عبادات (حصہ دوم)

جلد: ۷

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
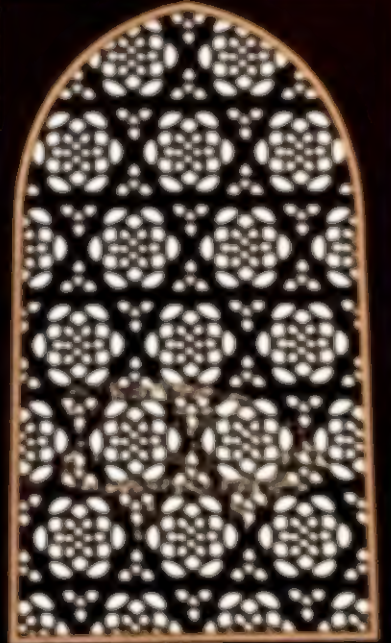
مواعظِ عثمانی

عبادات
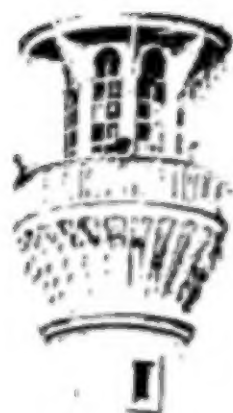
جلد: ۷

مُفتی محمد تقی عُثمانی
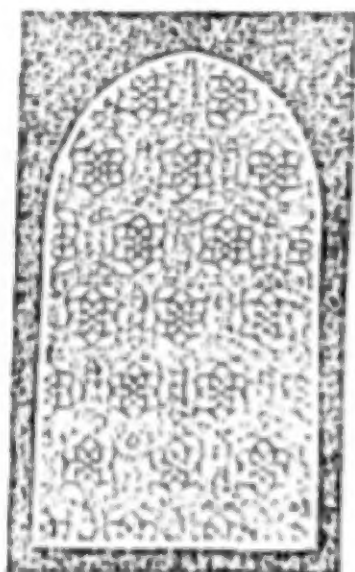
ترتیب و تخریج
مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبۃ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام : خضر قاسمی

طبع جدید : جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ - دسمبر ۲۰۲۲ء

ناشر : مکتبۃ معارف القرآن کراچی

ترتیب و ڈیزائننگ : عمران خان

فون : (92-21) 35031565, 35123130

ای میل : info@mmqpk.com

ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

آن لائن : fb/onlinesharia

مکتبۃ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان- 76180

ملنے کے پتے
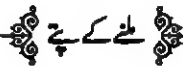
- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- فخر الدین کانج والا، کراچی
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- دارالاشاعت، کراچی
- مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدرآباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- بیت القرآن، کراچی
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- بیت الکتب، کراچی
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مکتبہ عباسیہ، تیمرگرہ
- ادارۂ اسلامیات، کراچی / لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- مکتبہ احرار، مردان
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- دار السلام، اسلام آباد
- قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرّہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کررہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہوچکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کرکے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج وتحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دار العلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلدِ ہفتم ''عبادات (حصہ دوم)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعیٔ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہورہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہورہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شُعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- The Islamic months

اور اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات ومضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان وعقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب ومعاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

خضر قاسمی (ناظم ادارہ)
مکتبۃ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

صفحہ	عنوان
۴۷	استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا
۴۸	استخارے کی مختصر دعا
۵۰	حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول
۵۰	ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو
۵۱	جواب سے پہلے دعا کا معمول
۵۳	**اعمال میں رُسوخ پیدا کریں**
۵۵	حال کی دو قسمیں
۵۷	غیر اختیاری کاموں پر مؤاخذہ نہیں
۵۷	حال کی پہلی قسم، کیفیت غیر اختیاریہ
۵۸	حال کی دوسری قسم، اعمال میں رُسوخ
۵۹	حال کی پہلی قسم مطلوب نہیں
۶۰	احوال محمود ہیں مطلوب نہیں
۶۰	نماز میں مزہ تلاش مت کرو
۶۱	میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں
۶۱	نفسانیت اور روحانیت کا فرق
۶۲	ٹھیلے والے کی نماز
۶۳	روحانیت کس میں زیادہ ہے؟
۶۴	دوسرے شخص کے عمل میں رُسوخ ہے
۶۴	عمل میں تسلسل سے رُسوخ حاصل ہوجاتا ہے

صفحہ	عنوان
۲۵۷	حج نہ کرنے پر شدید وعید
۲۵۸	بیٹیوں کی شادی کے عذر سے حج مؤخر کرنا
۲۵۹	حج سے پہلے قرض ادا کریں
۲۵۹	حج کے لیے بڑھاپے کا انتظار کرنا
۲۶۰	حج فرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کردیں
۲۶۰	حج صرف ایک تہائی مال سے ادا کیا جائے گا
۲۶۱	تمام عبادات کا فدیہ ایک تہائی سے ادا ہوگا
۲۶۱	حجِ بدل مرنے والے کے شہر سے ہوگا
۲۶۲	عذرِ معقول کی وجہ سے مکہ سے حج کرانا
۲۶۲	قانونی پابندی عذر ہے
۲۶۳	حج کی لذت حج ادا کرنے سے معلوم ہوگی
۲۶۳	حج نفل کے لیے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں
۲۶۴	حج کے لیے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں
۲۶۴	حج نفل کے بجائے قرض ادا کریں
۲۶۴	حج نفل کے بجائے نان ونفقہ ادا کریں
۲۶۵	حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا حج نفل چھوڑنا
۲۶۵	تمام عبادات میں اعتدال اختیار کریں
۲۶۷	**قربانی، حج اور عشرہ ذی الحجہ**
۲۷۰	یہ مقام ایک مینارۂ نور تھا

استخارہ اور اس کا مسنون طریقہ

(اصلاحی خطبات ۱۰/ ۱۴۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استخارہ اور اس کا مسنون طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن مکحول الازدی رحمۃ اللہ علیہ قال: سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول: ان الرجل یستخیر اللہ تبارك و تعالیٰ فیختارلہ، فیسخط علی ربہ عزوجل، فلایلبث ان ینظر فی العاقبۃ فاذاھو خیرلہ[1]۔

(۱) الزھدوالرقائق لابن المبارک ۳۲/۲.

حدیث کا مطلب

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک ارشاد ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے کہ جس کام میں میرے لیے خیر ہو وہ کام ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ کام اختیار فرمادیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندے کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ بندہ اپنے پروردگار پر ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لیے اچھا کام تلاش کیجیے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آرہا ہے، اس میں تو میرے لیے تکلیف اور پریشانی ہے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتا چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔ اس وقت اس کو پتا نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہوجاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

استخارہ کسے کہتے ہیں؟

اس روایت میں چند باتیں قابل ذکر ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔ استخارہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''استخارہ'' کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد

کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ خوب سمجھ لیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ''استخارہ'' کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں۔

استخارے کا طریقہ اور اس کی دعا

استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارے کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں، ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارے کی وہ مسنون دعا پڑھے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے، پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں، اگر انسان ایڑھی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کرسکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِيْنِي وَمَعِيْشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ، أَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِيْ دِيْنِي وَمَعِيْشَتِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ، أَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ

حَیۡثُ کَانَ، ثُمَّ أَرۡضِنِی بِهِ۔(1)

دعا کا ترجمہ

اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں (اچھائی پر) قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں، میں علم نہیں رکھتا۔ یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قدرت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملے کا تصور دل میں لائے جس کے لیے استخارہ کررہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لیے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے، تو اس کو میرے لیے مقدر فرمادیجیے اور اس کو میرے لیے آسان فرمادیجیے اور اس میں میرے لیے برکت پیدا فرمادیجیے اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا

(1) صحیح البخاری ۲/۵٦(۱۱٦۲) و ۸/۸۱(٦۳۸۲)۔

میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے، تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجیے اور مجھے اس سے پھیر دیجیے اور میرے لیے خیر مقدر فرما دیجیے جہاں بھی ہو (یعنی اگر یہ معاملہ میرے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجیے اور اس کے بدلے جو کام میرے لیے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجیے)، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجیے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجیے۔

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا کر لی تو بس استخارہ ہو گیا۔

استخارے کا کوئی وقت مقرر نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہیے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہیے۔ ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت یہ استخارہ کرلیں۔ نہ رات کی کوئی قید ہے اور نہ دن کی کوئی قید ہے نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے۔

خواب آنا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آئے گا اور خواب کے ذریعے ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھیے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آجاتا ہے اور بعض مرتبہ خواب میں نہیں آتا۔

استخارے کا نتیجہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہوجاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہوجائے وہ کام کرلے اور بکثرت ایسا رجحان ہوجاتا ہے، لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو، بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارے کا مقصد حاصل ہے، اس لیے کہ بندے کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں، پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتا بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیردیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرمادیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے۔ اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتا نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

تمہارے حق میں یہی بہتر تھا

اب جب وہ کام ہوگیا تو اب ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آرہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے مشورہ اور استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہوگیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہورہا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں کہ ارے

نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے، وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا۔ بعض اوقات دنیا میں تجھے پتا چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتا نہیں چلے گا، جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتا چلے گا کہ واقعتاً یہی میرے لیے بہتر تھا۔

تم بچے کی طرح ہو

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے جو ماں باپ کے سامنے مچل رہا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور ماں باپ جانتے ہیں کہ اس وقت بچے کا یہ چیز کھانا بچے کے لیے نقصان دہ اور مہلک ہے۔ چنانچہ ماں باپ بچے کو وہ چیز نہیں دیتے، اب بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میرے ماں باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا، میں جو چیز مانگ رہا تھا وہ چیز مجھے نہیں دی اور اس کے بدلے میں مجھے کڑوی کڑوی دوا کھلا رہے ہیں۔ اب وہ بچہ اس دوا کو اپنے حق میں خیر نہیں سمجھ رہا ہے، لیکن بڑا ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو عقل اور فہم عطا فرمائیں گے اور اس کو سمجھ آئے گی تو اس وقت اس کو پتا چلے گا کہ میں تو اپنے لیے موت مانگ رہا تھا اور میرے ماں باپ میرے لیے زندگی اور صحت کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اختیار فرماتے ہیں جو انجام کار بندہ کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اب بعض اوقات اس کا بہتر ہونا دنیا میں پتا چل جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا میں پتا نہیں چلتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ میں نے انہی سے سنا ہے، کہیں کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، لیکن کتابوں میں کسی جگہ ضرور منقول ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے تشریف لے جارہے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوگا اور اپنی خواہشات، اپنی تمنائیں اور اپنی آرزوئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع اور کیا ہوسکتا ہے، اس لیے جب آپ وہاں پہنچیں تو میرے حق میں بھی دعا کردیجیے گا۔ کیوں کہ میری زندگی میں مصیبتیں بہت ہیں اور میرے اوپر تکلیفوں کا ایک پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، فقر و فاقے کا عالم ہے اور طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار ہوں۔ میرے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے راحت اور عافیت عطا فرمادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرلیا کہ اچھی بات ہے میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔

جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دے دی

جب کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ ہم کلامی کے بعد آپ کو وہ شخص یاد آیا جس نے دعا کے لیے کہا تھا آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! آپ کا ایک بندہ ہے جو فلاں جگہ رہتا ہے، اس کا یہ نام ہے، اس نے مجھ سے

کہا تھا کہ جب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں تو اس کی پریشانی پیش کردوں۔ یااللہ! وہ بھی آپ کا بندہ ہے، آپ اپنی رحمت سے اس کو راحت عطا فرمادیجیے تاکہ وہ آرام اور عافیت میں آجائے اور اس کی مصیبتیں دور ہوجائیں اور اس کو بھی اپنی نعمتیں عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے موسیٰ اس کو تھوڑی نعمت دوں یا زیادہ دوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں تو تھوڑی کیوں مانگیں اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ یا اللہ! جب نعمت دینی ہے تو زیادہ ہی دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دے دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہوگئے۔ اس کے بعد کوہِ طور پر جتنے دن قیام کرنا تھا قیام کیا۔

ساری دنیا بھی تھوڑی ہے

جب کوہِ طور سے واپس تشریف لے جانے لگے، تو خیال آیا کہ جاکر ذرا اس بندے کا حال دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں دعا قبول فرمائی تھی۔ چنانچہ اس کے گھر جاکر دروازے پر دستک دی تو ایک دوسرا شخص باہر نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص سے ملاقات کرنی ہے، اس نے کہا کہ اس کا تو کافی عرصہ ہوا انتقال ہوچکا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کب انتقال ہوا؟ اس نے کہا فلاں دن اور فلاں وقت انتقال ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ جس وقت میں نے اس کے حق میں دعا کی تھی اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کا انتقال ہوا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

میں نے اس کے لیے عافیت اور راحت مانگی تھی اور نعمت مانگی تھی، مگر آپ نے اس کو زندگی سے ختم کر دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ تھوڑی نعمت دیں یا زیادہ دیں؟ تم نے کہا تھا کہ زیادہ دیں، اگر ہم ساری دنیا بھی اٹھا کر دے دیتے، تب بھی تھوڑی ہی ہوتی اور اب ہم نے اس کو آخرت اور جنت کی جو نعمتیں دی ہیں ان پر واقعی یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ زیادہ نعمتیں ہیں، دنیا کے اندر زیادہ نعمتیں اس کو مل ہی نہیں سکتی تھیں، لہٰذا ہم نے اس کو آخرت کی نعمتیں عطا فرمادیں۔

یہ انسان کس طرح اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ وہی جانتے ہیں کہ کس بندے کے حق میں کیا بہتر ہے اور انسان صرف ظاہر میں چند چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو برا ماننے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا کہ کس کے حق میں کیا بہتر ہے۔

استخارہ کرنے کے بعد مطمئن ہوجاؤ

اسی وجہ سے اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی کام کا استخارہ کر چکو تو اس کے بعد اس پر مطمئن ہوجاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ خیر ہی کا فیصلہ فرمائیں گے چاہے وہ فیصلہ ظاہر نظر میں تمہیں اچھا نظر نہ آرہا ہو، لیکن انجام کے اعتبار سے وہی بہتر ہوگا اور پھر اس کا بہتر ہونا یا تو دنیا ہی میں معلوم ہوجائے گا ورنہ آخرت میں جاکر تو یقیناً معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔

استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا

ایک اور روایت میں حضورِ اقدس ﷺ سے یہ ارشاد مروی ہے:

"مَاخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَانَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ"(۱)

یعنی جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو، وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو وہ کبھی نادم اور پشیمان نہیں ہوگا کہ میں نے یہ کام کیوں کرلیا یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا، اس لیے کہ جو کام کیا وہ مشورے کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورے کے بعد نہیں کیا، اس وجہ سے وہ نادم نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا، مطلب اس کا یہی ہے کہ انجامِ کار استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے اور جو شخص مشورہ کرکے کام کرے گا وہ پچھتائے گا نہیں، اس لیے کہ بالفرض اگر وہ کام خراب بھی ہوگیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی موجود ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خود رائی سے اور اپنے بل بوتے

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ۳۶۵/۶ (۶۶۲۷) وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۹۶/۸ (۱۳۱۵۷): رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر من طریق عبد القدوس بن عبد السلام بن عبد القدوس عن ابیه، وکلاهما ضعیف جدا.
اگرچہ حدیث کے طور پر اس کی سند بہت کمزور ہے، لیکن مقولہ جس کا بھی ہو معنیٰ کے لحاظ سے درست ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشاد سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)۔

پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں سے اور بڑوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ کام کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ اس لیے اس حدیث میں دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کرلیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرا استشارہ یعنی مشورہ۔

استخارے کی مختصر دعا

اوپر استخارے کا جو مسنون طریقہ عرض کیا یہ تو اس وقت ہے جب آدمی کو استخارہ کرنے کی مہلت اور موقع ہو اس وقت دو رکعت پڑھ کر وہ مسنون دعا پڑھے، لیکن بسا اوقات انسان کو اتنی جلدی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کو پوری دورکعت پڑھ کر دعا کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا، اس لیے کہ اچانک کوئی کام سامنے آ گیا اور فوراً اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس موقع کے لیے خود نبی کریم ﷺ نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

«اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ»(۱)

اے اللہ! میرے لیے آپ پسند فرمادیجیے کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

بس یہ دعا پڑھ لے۔ اس کے علاوہ ایک اور دعا حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی ۴۹۲/۵ (۳۵۱۵) وقال: هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث زنفل، وهو ضعيف عند اهل الحديث، ويقال له: زنفل بن عبد الله العرفي، وكان يسكن عرفات، وتفرد بهذا الحديث ولا يتابع عليه۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ"(۱)

اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمائیے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھیے۔

اسی طرح ایک اور مسنون دعا ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ"(۲)

اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القا فرمادیجیے۔

ان دعاؤں میں سے جو دعا یاد آجائے اس کو اسی وقت پڑھ لے اور اگر عربی میں دعا یاد نہ آئے تو اردو ہی میں دعا کرلو کہ یااللہ! مجھے یہ کشمکش پیش آگئی ہے آپ مجھے صحیح راستہ دکھادیجیے۔ اگر زبان سے نہ کہہ سکو تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! یہ مشکل اور یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ صحیح راستہ دل میں ڈال دیجیے جو راستہ آپ کی رضا کے مطابق ہو اور جس میں میرے لیے خیر ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۹۰/٤ (۲۷۲۵)۔

(۲) سنن الترمذی ٤٦٨/٥ (۳٤٨۳) وقال ہذا حدیث غریب وقد روی ہذا الحدیث عن عمران بن الحصین من غیر ہذا الوجہ۔ وقال الحافظ العراقی فی "تخریج احادیث الاحیاء" ۲۸۲/۱ (۱۰۷۸): الترمذي من حديث عمران بن حصين: "أن النبي صلى الله عليه وسلم علمه لحصين" وقال: حسن غريب، ورواه النسائي في اليوم والليلة، والحاكم من حديث حصين والد عمران، وقال: صحيح على شرط الشيخين.

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساری عمر یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا کہ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس میں فوراً فیصلہ کرنا ہوتا کہ یہ دو راستے ہیں ان میں سے ایک راستے کو اختیار کرنا ہے تو آپ اس وقت چند لمحوں کے لیے آنکھ بند کر لیتے، اب جو شخص آپ کی عادت سے واقف نہیں اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ آنکھ بند کر کے کیا کام ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ آنکھ بند کر کے ذرا سی دیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیتے کہ یا اللہ! میرے سامنے یہ کشمکش کی بات پیش آ گئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا فیصلہ کروں، آپ میرے دل میں وہ بات ڈال دیجیے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ بس دل ہی دل میں یہ چھوٹا سا اور مختصر سا استخارہ ہو گیا۔

ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ تمہیں اس کا اندازہ نہیں کہ تم نے ایک لمحے کے اندر کیا سے کیا کرلیا، یعنی اس ایک لمحے کے اندر تم نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرلیا، اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ لی اور اپنے لیے صحیح راستہ طلب کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تمہیں صحیح راستہ مل گیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اجر بھی مل گیا

اور دعا کرنے کا بھی اجر و ثواب مل گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایسے مواقع پر مجھ سے رجوع کرتا رہے اور اس پر خاص اجر وثواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کتنے واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس میں آدمی کو کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ اس وقت فوراً ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو یا اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دیجیے جو آپ کی رضا کے مطابق ہو۔

جواب سے پہلے دعا کا معمول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی اس سے تخلف نہیں ہوتا کہ جب بھی کوئی شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ حضرت! ایک بات پوچھنی ہے تو میں اس وقت فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ معلوم نہیں یہ کیا بات پوچھے گا؟ اے اللہ! یہ شخص جو سوال کرنے والا ہے اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجیے۔ کبھی بھی اس رجوع کرنے کو ترک نہیں کرتا ہوں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق۔ لہٰذا جب بھی کوئی بات پیش آئے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنے اللہ میاں سے باتیں کیا کرو کہ جہاں کوئی واقعہ پیش آئے اس میں فوراً اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ لو، اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو، اس میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرلو اور اپنی زندگی میں اس کام کی عادت ڈال لو۔ رفتہ رفتہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کر دیتی ہے اور یہ تعلق اتنا مضبوط ہوجاتا ہے کہ

پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان دل میں رہتا ہے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کروگے وہ مجاہدات اور ریاضتیں جو پچھلے صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کرکے چلے گئے، لیکن میں تمہیں ایسے چٹکلے بتادیتا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کرلوگے تو ان شاء اللہ جو مقصود اصلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوجانا وہ ان شاء اللہ اسی طرح حاصل ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعمال میں رُسوخ پیدا کریں

(اصلاحی مجالس ۲/۷۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعمال میں رُسوخ پیدا کریں

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين

أما بعد!

حال کی دو قسمیں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"تصوف میں رُسوخ اعمال اختیاریہ مطلوب ہے، نیز مامور بہ محبت عقلی ہے، نہ کہ طبعی"۔

حال کے دو معنیٰ ہیں: ایک تو کیفیت غیر اختیاریہ، دوسرے رُسوخ اعمال اختیاریہ۔ دوسرے معنیٰ میں حال کا ترتب لازم ہے، کیونکہ وہ موعود ہے۔

ففی الحدیث: "كذلك الايمان اذا خالط

بشاشة القلوب"(۱)

ایمان کی یہی صورت ہوتی ہے کہ جب اس کی بشاشت دلوں میں بیٹھ جائے۔

وفی کلام اللہ تعالیٰ:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (۲)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر ڈالنا چاہتے ہیں، اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔

اور تصوف میں یہی حال مطلوب ہے، جب کوئی شخص اعمال صالحہ بتکلف اختیار کرتا ہے تو رفتہ رفتہ ان اعمال میں سہولت ہونے لگتی ہے اور ایک کیفیت راسخہ پیدا ہوجاتی ہے اور گو یہ کیفیت رُسوخ بذاتہ غیر اختیاری ہے، لیکن بایں معنیٰ اختیاری ہے کہ اس کے اسباب اختیاری ہیں، یعنی اعمال صالحہ، مثلاً محبت حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرنا واجب ہے، کیونکہ نصوص میں اس کی تحصیل کا امر ہے، بخلاف شوق و ذوق کے کہ اس کی تحصیل کا کہیں بھی امر نہیں، جس محبت کی تحصیل مامور بہ ہے، وہ عقلی ہے اور محبت عقلی اختیاری ہے، بخلاف محبت طبعی کے کہ وہ غیر اختیاری ہے، اس لیے مامور بہ بھی نہیں۔

(انفاس عیسیٰ، ص: ۱۶)

---

(۱) صحیح البخاری ۳۵/۶ (۴۵۵۳)۔
(۲) سورۃ الانعام آیت (۱۲۵)۔

غیر اختیاری کاموں پر مؤاخذہ نہیں

حضرت والا نے اس ملفوظ میں دو مضمون بیان فرمائے ہیں:

ایک یہ کہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ انسان ان کاموں کا مکلف ہوتا ہے جو اس کے اختیار میں ہیں۔ جو کام انسان کے اختیار سے باہر ہیں، وہ انسان کی تکلیف، یعنی ذمہ داری سے خارج ہیں، انسان ان کی بجا آوری کا پابند نہیں اور نہ انسان کو ان کی تحصیل کا حکم دیا گیا، قرآنِ کریم کا صاف ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو کسی ایسے کام کا مکلف نہیں کرتے جو اس کے اختیار سے باہر ہو، اختیاری امور کا انسان مکلف ہے، غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں، لہٰذا اگر کوئی غیر اختیاری کام ایسا ہے جس کو انسان نہیں کرسکا تو اس پر انسان کی پکڑ اور مؤاخذہ نہیں ہوگا کہ تم نے یہ عمل کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ وہ عمل اس کے اختیار سے باہر تھا۔

حال کی پہلی قسم، کیفیت غیر اختیاریہ

ذکر و شغل کے اثرات کی وجہ سے انسان پر طاری ہونے والی کیفیات کو صوفیاء کی اصطلاح میں حال کہتے ہیں جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز اس کا حال ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حال کی دو قسمیں ہیں:

حال کی ایک قسم ہے کسی کیفیتِ غیر اختیاریہ کا پیدا ہوجانا۔ مثلاً یہ کہ جب

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۸۶)۔

اللہ تعالیٰ کا نام آئے یا حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کا نام آئے تو اس کو سن کر بے اختیار گریہ طاری ہوجائے، چنانچہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا نام گرامی آتے ہی ان کی طبیعت میں ایسی رقت پیدا ہوتی ہے کہ اس سے گریہ طاری ہوجاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ ایک حال اور کیفیت ہے، لیکن یہ کیفیت غیر اختیاری ہے، اس لیے کہ انسان کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنے اوپر گریہ طاری کرلے اور جب چاہے آنسو بہادے اور جب چاہے رک جائے، عام طور پر یہ فعل انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا یا مثلاً بعض اللہ کے بندوں پر کسی خاص موقع پر وجد طاری ہوجاتا ہے، اس کو بھی حال غیر اختیاری کہا جاتا ہے۔

حال کی دوسری قسم، اعمال میں رُسوخ

حال کی دوسری قسم یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں ثابت قدمی اور رُسوخ پیدا ہوجائے، اس کو بھی صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں حال کہا جاتا ہے، لیکن یہ حال بالمعنیٰ الثانی ہے، یعنی کسی عملِ صالح کے اندر اتنا رُسوخ پیدا ہوگیا اور اتنی پختگی اور ثابت قدمی آگئی کہ وہ عملِ صالح انسان کی طبیعت ثانیہ بن گیا۔ مثلاً نماز ہے، جب بچپن میں اس کو پڑھنا شروع کیا تھا تو اس وقت بہت بھاری معلوم ہوتی تھی اور پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تھا، کبھی پڑھی کبھی نہیں پڑھی، لیکن والدین نے اور استادوں نے زبردستی نماز پڑھنے پر لگادیا، اب رفتہ رفتہ نماز پڑھنے کی عادت پڑگئی اور اس میں رُسوخ پیدا ہوگیا اوراس درجے کا رُسوخ پیدا ہوگیا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک لاکھ روپے لے لو اور نماز چھوڑ دو تو ان شاء اللہ نمازی آدمی نماز نہیں چھوڑے گا، چاہے اس کو کوئی کتنا ہی لالچ دے دے یا

اس کے گلے پر تلوار رکھ دے یا نفس میں کیسا ہی تقاضہ سستی اور کاہلی کا آجائے، اس کو رُسوخ اور ثابت قدمی کہا جاتا ہے اور اسی کو حال بالمعنیٰ الثانی کہا جاتا ہے، یعنی نماز اس شخص کا حال بن گئی، طبیعت ثانیہ بن گئی، اب وہ نہیں چھوٹے گی۔

حال کی پہلی قسم مطلوب نہیں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کی پہلی قسم، یعنی غیر اختیاری کیفیات کا صادر ہونا، مثلاً گریہ طاری ہو رہا ہے، دل اُمڈ رہا ہے، سرور طاری ہو رہا ہے، عبادت میں لطف آرہا ہے، یہ چیزیں نہ تو بذاتِ خود مطلوب ہیں، نہ ہی آخرت میں ان کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہمارا نام آنے پر تم کیوں نہیں روئے؟ تمہارے آنسو کیوں جاری نہیں ہوئے؟ اس کا سوال آخرت میں نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ حال غیر اختیاری کیفیت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو نماز کے اندر مزہ نہیں آتا تو کوئی بات نہیں، اس لیے کہ وہ مزہ مطلوب ہی کب ہے، اگر ساری عمر تمہیں نماز کے اندر مزہ نہ آیا، لیکن پھر بھی سنت طریقے پر نماز پڑھتے رہے تو تمہارا کوئی گھاٹا نہیں، اس لیے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تمہیں نماز میں مزہ کیوں نہیں آیا؟ اور چونکہ تمہیں نماز میں مزہ نہیں آیا، لہٰذا ہم تمہیں جہنم میں بھیج رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے، اس لیے کہ مزہ آنا نہ آنا غیر اختیاری فعل ہے اور غیر اختیاری فعل پر باز پرس اور پکڑ نہیں اور چونکہ غیر اختیاری ہے اور آخرت میں اس پر پکڑ نہیں، اس لیے اس کے حصول کی فکر میں بھی زیادہ نہیں پڑنا چاہیے۔

احوال محمود ہیں مطلوب نہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کو واضح کر گئے، ورنہ تصوف کے اسرار و رموز کے اندر یہ حقیقت چھپ گئی تھی اور لوگوں نے ان کیفیات کو اور ان احوال کو ہی مقصود بنالیا تھا اور یہ سمجھا جارہا تھا کہ تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ احوال اور کیفیات طاری ہوں، عبادت میں مزہ آئے، گریہ طاری ہو، آنسو جاری ہوں، دل چلنے لگے وغیرہ، ان سب چیزوں کو مقصود اصلی بنالیا گیا تھا، لیکن حضرت والا نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور دو لفظوں میں بات صاف فرمادی، تاکہ نہ افراط رہے اور نہ تفریط رہے، چنانچہ فرمایا کہ یہ احوال مطلوب نہیں، اگرچہ محمود ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو یہ احوال عطا فرمادیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، اچھی بات ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، لیکن مطلوب اور مقصود نہیں، اس لیے ان کے پیچھے مت پڑو، اگر حاصل ہوجائیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر حاصل نہ ہوں تو بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ الحمد للہ عمل کی توفیق ہوگئی۔

نماز میں مزہ تلاش مت کرو

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! نماز پڑھتے ہوئے ساری عمر گزر گئی، مگر نماز میں مزہ ہی نہیں آیا، کچھ علاج فرمادیں، حضرت نے جواب میں لکھا کہ نماز میں مزہ آنا کوئی ضروری نہیں، تم مزہ کی خاطر نماز پڑھ رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی بندگی کی خاطر نماز پڑھ رہے ہو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لیے نماز پڑھ رہا ہوں۔ ارے! اگر مزے کی خاطر نماز پڑھی جارہی ہے تو وہ نماز ہی کیا ہوئی؟ نماز تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور

اس کی بندگی کی خاطر پڑھی جائے، چاہے اس نماز میں مزہ آئے یا نہ آئے، تکلیف ہو یا مشقت ہو۔

میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں

اسی لیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ساری عمر کبھی نماز میں مزہ نہ آیا ہو، لطف نہ آیا ہو اور اس پر کبھی سرور کی کیفیت طاری نہ ہوئی ہو، میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں، کیوں؟ اس لیے کہ اگر اس کو نماز کے اندر مزہ آتا یا نماز کے اندر اس کو کوئی کیف و سرور حاصل ہوجاتا تو خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ اسی کو مقصود سمجھ بیٹھتا اور اسی کو حاصل نماز سمجھ لیتا، اس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں مبتلا ہوجاتا، اللہ تعالیٰ نے اس کو احوال و کیفیات سے دور رکھ کر گمراہی سے بچالیا۔ بہرحال! عبادات کی ادائیگی میں ان سرور اور کیفیات کے پیچھے مت پڑو، ان کیفیات کی وجہ سے یا تو عجب اور ناز پیدا ہوجاتا ہے یا اس کو اصل مقصود سمجھ لینے سے کسی وقت اس میں کمی آجانے پر خود کو ناکام اور محروم سمجھ بیٹھتا ہے، دونوں صورتوں میں نقصان ہے، اس لیے کیفیات ہر شخص کے لیے موزوں بھی نہیں۔ لہٰذا ان کی فکر ہی نہ کی جائے، بس اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت ہے، اس پر سیدھے سیدھے عمل کرتے چلے جاؤ، اس فکر میں مت پڑو کہ رونا آیا کہ نہیں آیا، دل چلا کہ نہیں چلا، وجد طاری ہوا کہ نہیں ہوا، مزہ آیا کہ نہیں آیا۔

نفسانیت اور روحانیت کا فرق

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بڑی عجیب بات

ارشاد فرمائی، فرمایا کہ نفسانیت اور روحانیت ان دونوں میں بڑا باریک فرق ہے اور یہ پہچاننا بڑا مشکل ہے کہ کیا چیز نفسانیت ہے اور کیا چیز روحانیت ہے، کس چیز میں نفسانیت آرہی ہے اور کس چیز میں روحانیت ہورہی ہے؟ پھر یہ فرق سمجھانے کے لیے ہم سے ایک سوال کیا کہ ایک شخص ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے اور اسکے بیٹے جوان ہیں جو کما رہے ہیں، کھا رہے ہیں، بیٹیوں کی شادی کردی اور یہ فارغ البال ہے، پنشن مل رہی ہے اور اچھے طریقے سے گزارا ہو رہا ہے، کوئی فکر نہیں، کوئی مشغلہ نہیں، اس کا معمول یہ ہے کہ اذان سے بھی پہلے نماز کے لیے تیار ہو کر وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھتا ہے اور اذان سنتا ہے، فوراً مسجد میں پہنچتا ہے، پھر اطمینان سے تحیۃ المسجد پڑھتا ہے، پھر سنتیں پڑھتا ہے اور پھر اطمینان سے جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، یہاں تک کہ نماز کی جماعت کا وقت آجاتا ہے تو فرض نماز جماعت کے ساتھ اطمینان سے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اس کو اپنی نماز میں بڑا لطف آتا ہے اور اس کو نماز میں عجیب نورانیت، سرور اور سکون محسوس ہوتا ہے ایک حال یہ ہے۔

ٹھیلے والے کی نماز

دوسری طرف ایک شخص وہ ہے جو ٹھیلہ لگاتا ہے اور صبح سے شام تک آوازیں لگا کر اپنا سامان بیچتا ہے اور اپنا اور اپنی بیوی کا پیٹ پالتا ہے، اس ذریعہ سے حلال روزی کماتا ہے، مگر جب اذان کی آواز سنی فکر لگ گئی، اس نے چاہا کہ میں جلدی گاہکوں کو نمٹاؤں اور پھر نماز ادا کروں، چنانچہ کبھی ایک کو سامان دے رہا ہے، کبھی دوسرے کو سامان دے رہا ہے، یہاں تک کہ عین نماز کا وقت آگیا تو اس نے گاہکوں سے کہا کہ میں ابھی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ یہ

کہہ کر اس نے جلدی سے ٹھیلہ ایک طرف کھڑا کیا اور اس پر کپڑا ڈالا، بھاگا بھاگا مسجد گیا، جلدی جلدی سے وضو کیا اور صف میں جا کر کھڑا ہوگیا اور حواس باختگی کے عالم میں اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی، اب نماز میں کھڑا ہوا ہے، لیکن دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے اور دل میں یہ خیالات آرہے ہیں کہ کوئی ٹھیلہ پر چوری نہ کرلے، کہیں گاہک نہ بھاگ جائیں وغیرہ اور نماز بھی پڑھ رہا ہے، جماعت کے بعد جلدی سے اس نے دو سنتیں پڑھیں، بھاگا بھاگا جا کر دوبارہ ٹھیلا لگالیا۔ یہ ایک حال ہے۔

روحانیت کس میں زیادہ ہے؟

پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بتاؤ کہ پہلا شخص جو ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے، اس کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے یا اس ٹھیلے والے کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے؟ بظاہر یوں لگتا ہے کہ وہ پہلا شخص جو اذان سے پہلے گھر سے نکلا ہوا ہے، اس نے اطمینان سے تحیۃ الوضو پڑھی، تحیۃ المسجد پڑھی، سنتیں پڑھیں اور پھر خشوع وخضوع کے ساتھ دل لگا کر اس نے فرض نماز ادا کی، اس کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے۔

دوسری طرف وہ ٹھیلے والا جس نے بھاگا دوڑی میں نماز ادا کرلی، اس کی نماز میں بظاہر روحانیت نہیں ہے، لیکن میں یہ سچ کہتا ہوں کہ اس دوسرے شخص کی نماز میں روحانیت پہلے شخص کی نماز سے کہیں زیادہ ہے اور اس پہلے شخص کو نماز میں جو کیفیات حاصل ہو رہی ہیں، وہ حقیقت میں نفسانی کیفیات ہیں، وہ حظِ نفسانی ہیں، اگرچہ وہ جائز اور محمود حظ نفسانی ہے، مگر روحانیت تو محض عمل سے حاصل ہوتی ہے، اس میں وہ دونوں برابر ہیں، بلکہ ٹھیلے والا شخص اس پہلے

شخص سے بڑھا ہوا ہے کہ وہ اپنے مشاغل اور مصروفیات کے باوجود اللہ کے دربار میں آکر کھڑا ہوگیا، چاہے وہ مختصر وقت کے لیے ہی آگیا ہو، مگر تعمیل حکم میں آیا، اس لیے اس کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے۔

دوسرے شخص کے عمل میں رُسوخ ہے

بہرحال! پہلے شخص کو نماز میں جو حظ حاصل ہو رہا تھا، وہ حال بالمعنیٰ الاوّل ہے اور یہ حال مطلوب اور مقصود نہیں اور مامور بہ نہیں اور دوسرے شخص کا جو عمل ہے اس میں رُسوخ ہے، اس کو اپنے عمل میں اتنا رُسوخ حاصل ہوگیا کہ اپنے شواغل اور مصروفیات کے باوجود ان سب کو چھوڑ کر نماز ادا کر رہا ہے، یہ حال بالمعنیٰ الثانی ہے، یہ مطلوب اور مقصود ہے اور مامور بہ ہے، اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، پہلی چیز حاصل ہو یا نہ ہو، اس کا مطالبہ نہیں، اگر ہوجائے تو اللہ کا شکر ادا کرے، اگر نہ ہو تو کوئی پرواہ نہیں۔

عمل میں تسلسل سے رُسوخ حاصل ہوجاتا ہے

اب یہ دوسری چیز کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے بارے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دوسری چیز، یعنی رُسوخ اصلاً غیر اختیاری ہے، لیکن اس اعتبار سے اختیاری ہے کہ اسباب اختیاری ہیں، اس لیے جب انسان کسی عمل کو کرنا شروع کردیتا ہے اور پھر مسلسل اس کو کرتا رہتا ہے تو اس عمل میں رُسوخ حاصل ہوجاتا ہے، جیسے میں نے اوپر نماز کی مثال دی کہ نماز پڑھتے پڑھتے رُسوخ حاصل ہوجاتا ہے یا مثلاً روزہ رکھنا بڑا مشکل تھا، لیکن روزے رکھتے رکھتے رُسوخ پیدا ہوگیا، اب روزہ دار سے کہو کہ اپنا روزہ توڑ دے تو کبھی بھی وہ روزہ توڑنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، اس لیے کہ اب رُسوخ پیدا ہوگیا۔

عمل کرنا شروع کردے

اس رُسوخ کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عمل کرنا شروع کردے، چاہے دل لگے یا نہ لگے، چاہے اس کو کرتے وقت دل کہیں ہو اور دماغ کہیں ہو، لیکن پھر بھی لگا رہے اور اس فکر میں نہ رہے کہ میرا دل و دماغ کہاں ہے؟ ارے! دل و دماغ جہاں جاتے ہیں، جانے دے، لیکن عمل کرتا رہے، عمل نہ چھوڑے۔ مثلاً نماز کے لیے مسجد میں آرہا ہے، اب اس وقت دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے، پھر بھی مسجد میں آجا، آنے کو مت چھوڑ۔ اسی طرح جتنے اعمالِ صالحہ ہیں، ان سب کو کرنا شروع کردے، چاہے ان کے کرنے کے وقت دل کسمسائے اور تلملائے، دل پر آرے چلیں، مشقت اور محنت معلوم ہو، کوئی لطف و لذت، کوئی جوش و خروش نہ ہو، لیکن ان سب کے باوجود ان اعمال کو کرے اور کرتا رہے، کرتا رہے، یہاں تک کہ چند روز کے بعد ان اعمال میں رُسوخ پیدا ہوجائے گا اور حال بالمعنیٰ الثانی حاصل ہوجائے گا اور صوفیاء کی اصطلاح میں حال بالمعنیٰ الثانی کا دوسرا نام ''مقام'' ہے اور جب کسی شخص کو کسی عمل میں رُسوخ حاصل ہوجاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو اس عمل میں مقام حاصل ہوگیا، مثلاً فلاں کو صبر کا مقام حاصل ہوگیا، فلاں کو توکل کا مقام حاصل ہوگیا، فلاں کو شکر کا مقام حاصل ہوگیا۔ مثلاً ''جب کوئی اچھی بات سامنے آئی تو اس نے فوراً اللہ کا شکر ادا کیا اور ایسا بار بار کرتا رہا، یہاں تک کہ شکر کے اندر رُسوخ پیدا ہوگیا اور شکر کرنا اس کی طبیعتِ ثانیہ بن گیا'' اس ملفوظ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات تو یہ بیان فرمائی ہے۔

اللہ کی محبت غیر اختیاری ہونے کے باوجود مامور بہ کیوں ہے؟

دوسرے اس ملفوظ میں حضرت والا نے ایک اشکال کا جواب دیا ہے، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے تو یہ اصول بیان فرمایا کہ اختیاری امر مامور بہ ہے اور غیر اختیاری کا انسان مکلف نہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا دل میں پیدا کرنا جو مامور بہ ہے، اس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مامور بہ ہے، یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس اجمعین"(۱)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوگا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین سے اور اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لہٰذا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب محبت غیر اختیاری چیز ہے تو اس کو زبردستی کیسے اپنے دل میں پیدا کریں؟

مامور بہ محبت طبعی نہیں، عقلی ہے

اس کا جواب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں دے دیا کہ جو محبت مامور بہ ہے، وہ محبت طبعی نہیں، بلکہ محبت عقلی ہے، یعنی جب عقل سے وہ سوچے

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۲ (۱۵)۔

گا کہ اس کائنات میں سب سے زیادہ محبت کے لائق کون ہونا چاہیے؟ تو اس کی عقل اس کو اسی نتیجے پر پہنچائے گی کہ اس کائنات میں سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے، چاہے دل میں طبعی طور پر محبت کے جذبات اس طرح امڈتے ہوئے محسوس نہ ہوں، جس طرح والدین اور اولاد کے لیے محبت کے جذبات دل میں امڈتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض کسی کا یہ حال ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کافر ہوگیا، بلکہ وہ سوچے کہ الحمد للہ مجھے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت عقلی حاصل ہے، اگرچہ محبت طبعی اس درجے کی نہیں ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایت میں آتا ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث سنائی کہ

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین"

تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اور سب چیزوں سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ محبوب نظر آتے ہیں، لیکن مجھے یہ شبہ ہے کہ شاید آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں، اس لیے پھر تو میں مؤمن بھی ہوں یا نہیں؟ یہ سن کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی حدیث دوبارہ ارشاد فرمائی اور ان صحابیؓ کے سینے پر ہاتھ مارا، اس وقت ان صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الآن، الآن یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

اب ہوگیا(۱)۔

جملہ الآن کی توجیہ

علمائے کرام نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کے اس جملے کی مختلف توجیہات کی ہیں، عام طور پر جو توجیہ کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے سینے پر ہاتھ مارنے سے پہلے وہ محبت حاصل نہیں تھی، لیکن ہاتھ مارنے کے بعد وہ محبت حاصل ہوگئی، اس لیے انہوں نے فرمایا الآن، اب مجھے وہ محبت حاصل ہوگئی۔

بہترین توجیہ

لیکن ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عجیب توجیہ فرمائی ہے، وہ یہ کہ ایسا نہیں تھا کہ ہاتھ مارنے سے پہلے -العیاذ باللہ- وہ صحابی رضی اللہ عنہ کافر تھے اور ہاتھ مارنے کے بعد مسلمان ہوگئے اور ہاتھ مارنے سے پہلے محبت کا درجہ حاصل نہیں تھا، اب حاصل ہوگیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تک مؤمن نہیں تھے، اب مؤمن ہوئے، ایسا نہیں ہے، بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ اس حدیث سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ ایک مؤمن کے دل میں محبت عقلی کا ہونا واجب ہے اور ایمان محبتِ عقلی پر موقوف ہے۔ آپ کا مقصد یہ بیان کرنا نہیں تھا کہ محبت طبعی پر ایمان موقوف ہے اور ان صحابیؓ کو جو اشکال ہوا وہ اس لیے ہوا کہ وہ یہ سمجھے کہ محبت سے مراد محبت طبعی ہے اور محبت طبعی اس درجے کی حاصل نہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر جو مارا اس سے یہ بتلانا

(۱) صحیح البخاری ۱۲۹/۸ (۶۶۳۲)۔

مقصود تھا کہ تم اس جملے کا صحیح مطلب نہیں سمجھ رہے ہو، اس لیے کہ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میری محبت طبعی سب چیزوں سے زیادہ ہونی چاہیے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ محبت عقلی زیادہ ہونی چاہیے، اس کے جواب میں ان صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا الآن، یعنی اب بات میری سمجھ میں آ گئی کہ کس قسم کی محبت مطلوب ہے۔

لہٰذا الآن کا یہ مطلب نہیں کہ محبت کا یہ درجہ پہلے حاصل نہیں تھا اب حاصل ہو گیا، کیونکہ یہ مطلب لینے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت سے پہلے وہ صحابی رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں تھے اور اب مسلمان ہوئے اور یہ بات بڑی خطرناک ہے، اس لیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ الآن کے معنیٰ یہ ہیں کہ اب میں حدیث کا مفہوم سمجھا کہ محبت سے مراد محبت طبعی نہیں، بلکہ محبت عقلی ہے۔

محبت عقلی اختیاری ہے

یہ محبت عقلی اختیاری ہے اور محبت طبعی غیر اختیاری ہے، اس لیے یہ محبت طبعی مامور بہ نہیں اور ایمان کے لیے موقوف علیہ نہیں اور محبت عقلی مامور بہ ہے۔ اب محبت کو حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے؟

محبت حاصل کرنے کا راستہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ''نشر الطیب'' میں اس کا راستہ بتا دیا۔ وہ یہ کہ آدمی پہلے یہ دیکھے کہ اس کائنات میں دوسرے سے محبت کرنے کے کیا کیا اسباب ہوتے ہیں؟ مثلاً محبت کا سبب یا تو مال ہوتا ہے یا جمال ہوتا ہے یا کمال ہوتا ہے یا نوال ہوتا ہے۔ کسی سے محبت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ خوبصورت ہے، کسی

سے محبت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے اندر علمی یا عملی کمالات ہیں، کسی سے محبت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ بہت سخی ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ تمام اسباب محبت بدرجہ کمال اس طرح موجود تھیں کہ کائنات میں کسی اور کے اندر ثابت نہیں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھو تو ایسا، کمال دیکھو تو ایسا، نوال دیکھو تو ایسا اور جب آدمی ان کمالات میں غور کرے گا تو لازما اس سے عقلی محبت پیدا ہوگی، چاہے طبعی محبت اس درجے کی پیدا نہ ہو یا اگر ہو بھی تو محسوس نہ ہو۔

غیر اختیاری امور کے پیچھے مت پڑو

بہرحال! اس ملفوظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ غیر اختیاری امور کے پیچھے مت پڑو، لیکن اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرو اور جب عمل صالح کرنے کا وقت آجائے تو اس کو مت چھوڑو اور اعمال میں لگے رہو، اگر ساری عمر بھی کیفیات پیدا نہ ہوں تو بھی تمہارا کوئی نقصان نہیں، لیکن عمل میں لگے رہو یہاں تک کہ رُسوخ حاصل ہوجائے، یہ پختگی اور دوام ہی مطلوب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین

روزہ اور عید

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ اور عید

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابنِ آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہوتا ہے، سوائے روزے کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا اور روزے (عذاب سے بچنے کے لیے) ڈھال ہیں، لہٰذا جس دن تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہیے کہ نہ کوئی فحش کام کرے اور نہ شور مچائے، اگر کوئی شخص اسے برا بھلا کہے یا اس سے لڑے تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ سے ہوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے، روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہوں گی ایک خوشی (اسے) افطار کے وقت افطار کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایک جب وہ اپنے پروردگار سے ملے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے اسے

فرحت حاصل ہوگی[1]۔

② حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

روزے اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے، روزے کہیں گے کہ اے پروردگار! میں نے اس (بندے) کو کھانے سے اور نفسانی خواہشات پوری کرنے سے روکا، اس لیے اس کے بارے میں میری سفارش قبول کیجیے اور قرآن کہے گا، میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکا اس لیے اس کے بارے میں میری سفارش قبول کیجیے، چنانچہ ان دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی[2]۔

③ حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے[3]۔

④ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم سرورِ دو

---

(۱) صحیح البخاری ۲۶/۳ (۱۹۰٤)۔

(۲) مسند احمد ۱۹۹/۱۱ (٦٦٢٦) والمستدرک للحاکم ۷٤۰/۱ (۲۰۳٦) وقال: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه. وقال الذهبي في "التلخيص": على شرط مسلم.

(۳) رواه ابن ماجه في "سننه" ۲۲۲/۳ (۱۷٤٥) بطريقين من حديث أبي هريرة رضي الله عنه وقال البوصيري في "مصباح الزجاجة" ۷۹/۲: هذا إسناد ضعيف من الطريقين معا، فيه موسى بن عبيدة الربذي، وهو متفق على تضعيفه، ومدار الإسنادين عليه. وروه الطبراني في "معجمه الكبير" ۱۹۳/٦ (۵۹۷۳) من حديث سهل بن سعد.

عالم ﷺ نے فرمایا:

> میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے اور کہنے لگے کہ جس شخص نے رمضان کا زمانہ پایا ہو، پھر بھی وہ اپنی مغفرت نہ کرا سکے، تو اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے! میں نے کہا آمین۔[1]

⑤ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

> اے لوگو! تم پر ایک ایسا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے جو عظمت والا بھی ہے اور برکت والا بھی، یہ ایسا مہینہ ہے جس کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے کہیں بہتر ہے، اللہ نے اس مہینے کے روزوں کو تم پر فرض کیا ہے اور رات کے وقت کھڑے ہو کر عبادت کرنے کو نفل قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کوئی نیک کام کرے تو اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دوسرے مہینوں میں فرض ادا کر کے ملتا ہے اور جو شخص اس

= الساعدي رضي الله عنه، وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ٤٢١/٣ (٥٠٨٨): وفيه حماد بن الوليد، وهو ضعيف. ورواه الشجري في أماليه ٢٨٢/١ من حديث علي بن أبي طالب.

(١) صحيح ابن حبان ١٤٠/٢ (٤٠٩) من حديث مالك بن الحويرث رضي الله عنه، ورواه الحاكم في "المستدرك" ١٧٠/٤ (٧٢٥٦) من حديث كعب بن عجرة رضي الله عنه، وقال صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في "التلخيص".

میں فرض ادا کرے تو اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دوسرے دنوں میں ستر (۷۰) فرائض ادا کرنے سے ملتا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ (ایک دوسرے کی) غم خواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے کہ جس میں مؤمن کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کی مغفرت کا اور آگ سے اس کی گلو خلاصی کا سبب بن جاتا ہے اور اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس روزہ دار کو ملے گا جسے افطار کرایا ہے اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے پاس اتنا نہیں ہوتا ہے کہ وہ کسی روزہ دار کو افطار کرا سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو ایک کھجور، پانی کے ایک گھونٹ یا پانی ملے ہوئے دودھ کے ذریعے ہی کسی کو افطار کرا دے۔

اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ رحمت ہے۔ بیچ کا حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی (کا پیغام) ہے، جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے جہنم سے آزاد کر دے گا، لہٰذا تم اس مہینے میں چار کام کثرت سے کرو، دو کام ایسے ہیں جن سے تم اپنے پروردگار کی

خوشنودی حاصل کرو گے وہ تو ہیں، ایک لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے رہنا اور دوسرے استغفار اور وہ کام جن سے تمہیں بے نیازی نہیں ہوسکتی، وہ ایک تو یہ ہے کہ اللہ سے جنت کا سوال کرتے رہو اور دوسرے آگ سے اس کی پناہ مانگتے رہو اور جو کسی روزہ دار کو سیراب کرے، اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (کوثر) سے ایسا مشروب پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک اسے پھر پیاس نہیں لگے گی۔ (۱)

⑥ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماہِ رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور انہیں صدقۃ الفطر کے ذریعے اوپر اٹھایا جاتا ہے (یعنی صدقۃ الفطر ادا کیے بغیر روزے قبول نہیں ہوتے)۔ (۲)

⑦ حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو فرشتے راستے کے کناروں پر

---

(۱) صحیح ابن خزیمه ۱۹۱/۳ (۱۸۸۷) وقال:إن صح الخبر، وشعب الایمان للبیهقی ۲۲۳/۵ (۳۳۳٦)۔وذکره الضیاء المقدسی فی "السنن والأحکام" ۳۹۹/۳ (۳٤۸٤) وقال:هو من روایة کثیر بن زید، تکلم فیه یحیی بن معین، ووثقه في روایة، وقال أبو زرعة الرازي:لین. وقال س:ضعیف.

(۲) الترغیب والترهیب للمنذری ۹۷/۲ (۱٦۵۳) وقال: رواه أبو حفص بن شاهین في فضائل رمضان، وقال: حدیث غریب، جید الإسناد. وزهر الفردوس ٦۹۵/۲ (۸۳۳)۔

کھڑے ہو جاتے ہیں اور آواز دیتے رہتے ہیں کہ اے مسلمانو! ایک ایسے پروردگار کی طرف چلو جو بھلائی کی توفیق دے کر احسان کرتا ہے، پھر اس پر بہت سا ثواب بھی دیتا ہے، تمہیں رات کو (تراویح میں) کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، تم کھڑے رہے، تمہیں دن کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، تم نے روزہ رکھا اور اپنے پروردگار کی اطاعت کی۔ اب اپنے انعامات وصول کر لو، چنانچہ جب لوگ نماز پڑھ چکے ہوتے ہیں تو ایک منادی آواز لگاتا ہے کہ سنو! تمہارے پروردگار نے تمہاری مغفرت کر دی ہے، اب اپنے گھروں کو ہدایت یاب ہو کر جاؤ، تو درحقیقت یہ عید کا دن انعام کا دن ہے اور آسمان میں اس کا نام بھی یوم الجائزہ (روزِ انعام) ہے۔(۱)

---

(۱) المعجم الكبير للطبرانی ۲۲٦/۱ (٦١٧) وأورده الهيثمي في "المجمع" ۲/٤٣٥ (٣٢٢٥) وقال: رواه الطبراني في "الكبير"، وفيه جابر الجعفي، وثقه الثوري، وروى عنه هو وشعبة، وضعفه الناس، وهو متروك. ورواه ابن النجار في "ذيل تاريخ بغداد" ۱۹/۱٤٤ من حديث بريدة بن الحصيب رضي الله عنه (طبع دار الكتب العلمية) وأبو نعيم في "المعرفة" ٤/١٨٧٤ (٤٧١٧) من حديث عبيد الله بن محصن الأنصاري رضي الله عنه.

روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

(اصلاحی خطبات ۱/۱۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ(۱)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۸۵)۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ، صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

برکت والا مہینہ

ان شاء اللہ چند روز کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے اور کون مسلمان ایسا ہوگا جو اس مہینہ کی برکت اور عظمت سے واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے اور نہ معلوم کیا کیا رحمتیں اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں اپنے بندوں کی طرف مبذول فرماتے ہیں۔ ہم اور آپ ان رحمتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس مہینہ کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ مثلاً اس ماہ میں روزے فرض ہیں۔ الحمد للہ! مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی توفیق ہو جاتی ہے اور تراویح کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سنت ہے اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، لیکن اس وقت ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں اور رات کے وقت تراویح پڑھی جاتی ہے اور بس۔ اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اس مہینہ کی بڑی اہم عبادات میں سے ہیں، لیکن بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ درحقیقت رمضان المبارک ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے قرآنِ کریم میں اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (1)

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لیے
پیدا کیا ہے، وہ یہ کہ میری عبادت کریں۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔

کیا فرشتے کافی نہیں تھے؟

یہاں بعض لوگوں کو خاص کر نئی روشنی کے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت تھا تو اس کام کے لیے انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو فرشتے پہلے سے بہت اچھی طرح انجام دے رہے تھے اور وہ اللہ کی عبادت تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمانے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو بتایا کہ میں اس طرح کا ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے بے ساختہ یہ کہا کہ آپ ایک ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں، جو زمین میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا، جبکہ عبادت، تسبیح و تقدیس ہم انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح آج بھی اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہوتا تو اس کے لیے انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ کام تو فرشتے پہلے ہی انجام دے رہے ہیں۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی

(1) سورۃ الذاریات آیت (٥٦).

عبادت کر رہے ہیں، لیکن ان کی عبادت بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اس لیے کہ فرشتے جو عبادت کر رہے تھے ان کے مزاج میں اس کے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ وہ اگر چاہیں کہ عبادت نہ کریں تو ان کے اندر عبادت چھوڑنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر سے گناہ کرنے کا امکان ہی ختم فرمادیا اور نہ انہیں بھوک لگتی ہے، نہ ان کو پیاس لگتی ہے اور نہ ان کے اندر شہوانی تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ حتی کہ ان کے دل میں گناہ کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا۔ گناہ کی خواہش اور گناہ پر اقدام تو دور کی بات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی اجر وثواب بھی نہیں رکھا، کیونکہ اگر فرشتے گناہ نہیں کر رہے ہیں تو اس میں ان کا کوئی کمال نہیں اور جب کوئی کمال نہیں تو پھر جنت والا اجر وثواب بھی مرتب نہیں ہوگا۔

نابینا کا بچنا کمال نہیں

مثلاً ایک شخص بینائی سے محروم ہے جس کی وجہ سے ساری عمر اس نے نہ کبھی فلم دیکھی، نہ کبھی ٹی وی دیکھا اور نہ کبھی غیر محرم پر نگاہ ڈالی۔ بتایئے کہ ان گناہوں کے نہ کرنے میں اس کا کیا کمال ظاہر ہوا؟ اس لیے کہ اس کے اندر ان گناہوں کے کرنے کی صلاحیت ہی نہیں، لیکن ایک دوسرا شخص جس کی بینائی بالکل ٹھیک ہے جو چیز چاہے دیکھ سکتا ہے، لیکن دیکھنے کی صلاحیت موجود ہونے کے باوجود جب کسی غیر محرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ دل میں پیدا ہوتا ہے وہ فوراً صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ نیچے کرلیتا ہے۔ اب بظاہر دونوں گناہوں سے بچ رہے ہیں، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے اور دوسرا شخص بھی گناہ سے بچ رہا

ہے، لیکن پہلے شخص کا گناہ سے بچنا کوئی کمال نہیں اور دوسرے شخص کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔

یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں ہے

لہٰذا اگر ملائکہ صبح سے شام تک کھانا نہ کھائیں تو یہ کوئی کمال نہیں اس لیے کہ انہیں بھوک ہی نہیں لگتی اور انہیں کھانے کی حاجت ہی نہیں۔ لہٰذا ان کے نہ کھانے پر کوئی اجر وثواب بھی نہیں، لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لے کر پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی انسان کتنے ہی بڑے سے بڑے مقام پر پہنچ جائے۔ حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مقام یعنی نبوت پر پہنچ جائے تب بھی وہ کھانے پینے سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کفار نے انبیاء پر یہی اعتراض کیا کہ

مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ (۱)

یعنی یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں، تو کھانے کا تقاضہ انبیاء کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے، لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے تو یہ کمال کی بات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہوں جس کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی اور اس کے اندر شہوانی تقاضے بھی پیدا ہوں گے اور گناہ کرنے کے داعیے بھی ان کے اندر پیدا ہوں گے، لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہوگا، اس وقت وہ مجھے یاد کرلے گا اور مجھے یاد کرکے اپنے نفس کو اس گناہ سے بچالے گا۔ اس کی عبادت اور گناہ

(۱) سورۃ الفرقان آیت (۷).

سے بچنا ہمارے یہاں قدر و قیمت رکھتا ہے اور جس کا اجر و ثواب اور بدلہ دینے کے لیے ہم نے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے جس کی صفت عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ہے۔ اس لیے کہ اس کے دل میں داعیہ اور تقاضہ ہو رہا ہے اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں اور گناہ کے محرّکات سامنے آ رہے ہیں، لیکن یہ انسان ہمارے خوف اور ہماری عظمت کے تصور سے اپنی آنکھ کو گناہ سے بچالیتا ہے۔ اپنے کان کو گناہ سے بچالیتا ہے۔ اپنی زبان کو گناہوں سے بچالیتا ہے اور گناہوں کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے تاکہ میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہوجائے۔ یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں تھی۔ اس عبادت کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو فتنہ زلیخا کے مقابلے میں پیش آیا۔ کون مسلمان ایسا ہے جو اس کو نہیں جانتا قرآنِ کریم کہتا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی۔ اس وقت زلیخا کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا خیال آ گیا۔ عام لوگ تو اس سے حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض اور ان کی تنقیص بیان کرتے ہیں حالانکہ قرآنِ کریم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ گناہ کا خیال آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی عظمت کے استحضار سے اس گناہ کے خیال پر عمل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم کرلیا، لیکن اگر گناہ کا خیال بھی دل میں نہ آتا اور گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی اور گناہ کا تقاضہ ہی پیدا نہ ہوتا تو پھر ہزار مرتبہ زلیخا گناہ کی دعوت دے، پھر تو کمال کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ کمال تو یہی تھا کہ گناہ کی دعوت

دی جارہی ہے اور ماحول بھی موجود، حالات بھی سازگار اور دل میں خیال بھی آرہا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اللہ کے حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرکے فرمایا کہ -معاذ اللہ- کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ عبادت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ (۱)

ہماری جانوں کا سودا ہوچکا ہے

جب انسان کا مقصدِ تخلیق عبادت ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ جب انسان دنیا میں آئے تو صبح سے لے کر شام تک عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے اور اس کو دوسرے کام کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے اور اس کا معاوضہ یہ مقرر فرمایا کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی۔ جب ہماری جانیں بک چکی ہیں تو یہ جانیں جو ہم لیے بیٹھے ہیں، وہ ہماری نہیں ہیں بلکہ بکا ہوا مال ہے۔ اس کی قیمت لگ چکی ہے۔ جب یہ جان اپنی نہیں ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس جان اور جسم کو سوائے اللہ کی عبادت کے دوسرے کام میں نہ لگایا جائے، لہٰذا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا کہ تمہیں صبح سے

---

(۱) دیکھیے: سورة یوسف آیت (۲۳، ۲٤).

(۲) سورة التوبة آیت (۱۱۱).

شام تک دوسرے کام کرنے کی اجازت نہیں۔ بس سجدے میں پڑے رہا کرو اور اللہ اللہ کیا کرو۔ دوسرے کاموں کی اجازت نہیں۔ نہ کمانے کی اجازت ہے، نہ کھانے کی اجازت ہے۔ تو یہ حکم انصاف کے خلاف نہ ہوتا۔ اس لیے کہ پیدا ہی عبادت کے لیے کیا گیا ہے۔

ایسے خریدار پر قربان جایئے

لیکن قربان جایئے ایسے خریدار پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کو خرید بھی لیا اور اس کی قیمت بھی پوری لگادی یعنی جنت۔ پھر وہ جان و مال ہمیں واپس بھی لوٹا دیا کہ یہ جان و مال تم اپنے پاس رکھ لو اور ہمیں اس بات کی اجازت دے دی کہ کھاؤ، پیو، کماؤ اور دنیا کے کاروبار کرو۔ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرو اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو۔ باقی جس طرح چاہو کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت اور عنایت ہے۔

اس ماہ میں اصل مقصد کی طرف آجاؤ

لیکن جائز کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ جب یہ انسان دنیا کے کاروبار اور کام دھندوں میں لگے گا تو رفتہ رفتہ اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑجایا کریں گے اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھوجائے گا تو اس غفلت کو دور کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً کچھ اوقات مقرر فرمادیے ہیں۔ ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اس لیے کہ سال کے گیارہ مہینے تو آپ تجارت میں، زراعت میں، مزدوری میں اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھانے کمانے اور ہنسنے بولنے میں لگے رہے اور اس

کے نتیجے میں دلوں پر غفلت کا پردہ پڑنے لگتا ہے۔ اس لیے ایک مہینہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے مقرر فرمادیا کہ اس مہینے میں تم اپنے اصل مقصد تخلیق یعنی عبادت کی طرف لوٹ کر آؤ۔ جس کے لیے تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا، اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں لگو اور گیارہ مہینے تک تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کو بخشواؤ اور دل کی صلاحیتوں پر جو میل آچکا ہے اس کو دھلواؤ اور دل میں جو غفلت کے پردے پڑ چکے ہیں ان کو اٹھواؤ، اس کام کے لیے ہم نے یہ مہینہ مقرر کیا ہے۔

رمضان کے معنیٰ

لفظ ''رَمْضَانَ'' میم کے سکون کے ساتھ ہم غلط استعمال کرتے ہیں۔ صحیح لفظ ''رَمَضَانَ'' میم کے زبر کے ساتھ ہے اور ''رَمَضَانَ'' کے لوگوں نے بہت سے معنیٰ بیان کیے ہیں، لیکن اصل عربی زبان میں ''رَمَضَانَ'' کے معنیٰ ہیں ''جھلسا دینے والا اور جلا دینے والا'' اور اس ماہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ سب سے پہلے جب اس ماہ کا نام رکھا جارہا تھا اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا۔ اس لیے لوگوں نے اس کا نام ''رمضان'' رکھ دیا(۱)۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو

لیکن علماء نے فرمایا کہ اس ماہ کو ''رمضان'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے بندوں کے گناہوں کو

(۱) ملاحظہ ہو: تاج العروس للزبیدی ۱۸/ ۳٦٤ طبع دار الهداية.

جھلسا دیتے ہیں اور جلا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے دنیاوی کاروبار دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھاگئیں اور اس عرصے میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر انہیں بخشوالو اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھادو تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوجائے اسی لیے قرآنِ کریم نے فرمایا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱)

یعنی یہ روزے تم پر اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہوجائے، تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا۔ جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے تو اس کے بعد اس کی سروس کرانی پڑتی ہے۔ اس کی صفائی کرانی پڑتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور ہالنگ کے لیے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

اس ماہ کو فارغ کرلیں

لہٰذا صرف روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس مہینے کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۸۳).

کاموں سے فارغ کرلے۔ اس لیے کہ گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے، لیکن یہ مہینہ انسان کے لیے اس کی اصل مقصدِ تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے اس لیے اس مہینے کے تمام اوقات، ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے اللہ کی عبادت میں صرف کرے اور اس کے لیے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہیے اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہیے۔

''استقبالِ رمضان'' کا صحیح طریقہ

آج کل عالمِ اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے جس کی ابتداء عرب ممالک خاص کر مصر اور شام سے ہوئی اور پھر دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہوگئی اور ہمارے یہاں بھی آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کچھ محفلیں منعقد ہوتی ہیں جس کا نام ''محفل استقبال رمضان'' رکھا جاتا ہے جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اور اس میں قرآنِ کریم اور تقریر اور وعظ رکھا جاتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کو ''خوش آمدید'' کہہ رہے ہیں۔ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد بدعت کی شکل اختیار کرلیتا ہے، چنانچہ بعض جگہوں پر اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کرلی، لیکن رمضان المبارک کا اصل استقبال یہ ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظامِ اوقات بدل کر ایسا بنانے کی کوشش کریں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ جل شانہٗ کی عبادت میں صرف ہو۔ رمضان کا مہینہ آنے سے پہلے یہ

سوچو کہ یہ مہینہ آ رہا ہے کس طرح میں اپنی مصروفیات کم کرسکتا ہوں۔ اس مہینے میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بالکلیہ عبادت کے لیے فارغ کرلے تو سبحان اللہ، اگر کوئی شخص بالکلیہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کرسکتا تو پھر یہ دیکھے کہ کون کون سے کام ایک ماہ کے لیے چھوڑ سکتا ہوں، ان کو چھوڑے اور کن مصروفیات کو کم کرسکتا ہوں، ان کو کم کرے اور جن کاموں کو رمضان کے بعد تک مؤخر کرسکتا ہے ان کو مؤخر کرے اور رمضان کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبال رمضان کا صحیح طریقہ یہی ہے اگر یہ کام کرلیا تو ان شاء اللہ رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوں گے۔ ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا اور اس سے صحیح طور پر فائدہ ہم نہیں اٹھاسکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کرلیا، تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے؟ جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے اس سے بھی ہر شخص واقف ہے، لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے۔ اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت

ہے کہ لوگ عبادت میں، نماز میں، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزار لو

لیکن ان سب نفلی نمازوں، نفلی عبادات، نفلی ذکر و اذکار اور نفلی تلاوت قرآنِ کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مہینے کو گناہوں سے پاک کر کے گزارنا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے، نظر غلط جگہ پر نہ پڑے، کان غلط چیز نہ سنیں، زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو۔ یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح گزار لیا پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو اور نہ ذکر و اذکار کیا ہو، لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابلِ مبارک باد ہیں اور یہ مہینہ آپ کے لیے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک مہینہ آ رہا ہے کم از کم اس کو تو گناہوں سے پاک کر لو۔ اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو۔ اس میں تو غیبت نہ کرو اس میں تو بدنگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو، اس میں تو رشوت نہ کھاؤ، اس میں سود نہ کھاؤ، کم از کم یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟

اس لیے کہ آپ روزے تو ماشاء اللہ بڑے ذوق و شوق سے رکھ رہے ہیں، لیکن روزے کے کیا معنیٰ ہیں؟ روزے کے معنیٰ یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا، پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا۔ روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہ حلال ہیں۔ کھانا حلال، پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال۔ اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں اور نہ پی رہے ہیں، لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں، مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بدنگاہی کرنا، جو ہر حال میں حرام تھیں روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں۔ اب روزہ رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بول رہے ہیں، روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں، روزہ رکھا ہوا ہے اور بدنگاہی کر رہے ہیں اور روزہ رکھا ہوا ہے، لیکن وقت پاس کرنے کے لیے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں، یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیزیں نہیں چھوڑی۔ اس لیے حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں اس لیے جب جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا جو پہلے سے حرام تھا۔ تو کھانا چھوڑ کر اس نے کون سا بڑا عمل کیا؟

روزہ کا ثواب ملیامیٹ ہوگیا

اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہوگیا۔ اگر کسی مفتی سے پوچھو گے کہ

میں نے روزہ بھی رکھا تھا اور جھوٹ بھی بولا تھا۔ تو وہ مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ درست ہوگیا، اس کی قضاء واجب نہیں، لیکن اس کی قضاء واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیامیٹ ہوگئیں، اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

روزے کا مقصد تقویٰ کی شمع روشن کرنا

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (1)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے پچھلی امتوں پر فرض کیے گئے۔ کیوں روزے فرض کیے گئے؟ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، یعنی روزہ اصل میں اس لیے تمہارے ذمہ مشروع کیا گیا، تاکہ اسکے ذریعے تمہارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہو۔ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقویٰ کی سیڑھی ہے

بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ روزے سے تقویٰ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزہ انسان کی قوتِ حیوانیہ اور قوتِ بہیمیہ کو توڑتا ہے۔ جب آدمی بھوکا رہے گا تو اس کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں گے۔ جس کے نتیجے میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست

---

(1) سورة البقرة آيت (١٨٦).

پڑ جائے گا۔

لیکن ہمارے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ نے فرمایا کہ صرف قوتِ بہیمیہ توڑنے کی بات نہیں ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی صحیح طریقے سے روزہ رکھے گا تو یہ روزہ خود تقویٰ کی ایک عظیم الشان سیڑھی ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ کے کیا معنیٰ ہیں؟ تقویٰ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ کے عظمت کے استحضار سے اسکے گناہوں سے بچنا، یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوکر مجھے جواب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس تصور کے بعد جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اسی کا نام تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (۱)

یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور کھڑا ہونا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات سے روکتا ہے، یہی تقویٰ ہے۔

میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے

لہٰذا ''روزہ'' حصولِ تقویٰ کے لیے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے جب روزہ رکھ لیا تو آدمی پھر کیسا ہی گنہگار، خطاکار اور فاسق و فاجر ہو، جیسا بھی ہو، لیکن روزہ رکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سخت گرمی کا دن ہے

---

(۱) سورۃ النازعات آیت (۴۰).

اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا پاس موجود نہیں اور دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں فرِج موجود ہے اور اس فرِج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اس وقت انسان کا نفس یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس شدید گرمی کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا وہ شخص فرِج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے گا؟ ہرگز نہیں پیے گا۔ حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہوگا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا اور شام کو باہر نکل کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیتا ہے، کیوں نہیں پیتا؟ پانی نہ پینے کی اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن میرا مالک جس کے لیے میں نے روزہ رکھا ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اس کا بدلہ دوں گا

اسی لیے اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ

"اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ"(۱)

یعنی روزہ میرے لیے ہے۔ لہٰذا میں ہی اس کی جزا دوں گا اور اعمال کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ کسی عمل کا دس گنا اجر، کسی عمل کا ستر گنا اور کسی عمل کا سو گنا اجر ہے حتیٰ کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے، لیکن روزے کے بارے میں

---

(۱) صحيح البخاری ۳/ ۲٦ (۱۹۰٤).

فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا۔ کیونکہ روزہ اس نے صرف میرے لیے رکھا تھا۔ اس لیے کہ شدید گرمی کی وجہ سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں اور زبان پیاس سے خشک ہے اور فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اور تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود میرا بندہ صرف اس لیے پانی نہیں پی رہا ہے کہ اس کے دل میں میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر اور احساس ہے۔ اس احساس کا نام تقویٰ ہے۔ اگر یہ احساس پیدا ہوگیا تو تقویٰ بھی پیدا ہوگیا لہٰذا تقویٰ روزے کی ایک شکل بھی ہے اور اسکے حصول کی ایک سیڑھی بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزے اس لیے فرض کیے تاکہ تقویٰ کی عملی تربیت دیں۔

ورنہ یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا

اور جب تم روزے کے ذریعے عملی تربیت حاصل کر رہے ہو تو پھر اس کو اور ترقی دو اور آگے بڑھاؤ، لہٰذا جس طرح روزے کی حالت میں شدت پیاس کے باوجود پانی پینے سے رک گئے تھے اور اللہ کے خوف سے کھانا کھانے سے رُک گئے تھے، اسی طرح جب کاروبارِ زندگی میں نکلو اور وہاں پر اللہ کی نافرمانی اور معصیت کا تقاضا اور داعیہ پیدا ہو تو یہاں بھی اللہ کے خوف سے اس معصیت سے رک جاؤ۔ لہٰذا ایک مہینے کے لیے ہم تمہیں تربیتی کورس سے گزار رہے ہیں اور یہ تربیتی کورس اس وقت مکمل ہوگا جب کاروبار زندگی میں ہر موقع پر اس پر عمل کرو، ورنہ اس طرح یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا کہ اللہ کے خوف سے پانی پینے سے تو رک گئے اور جب کاروبارِ زندگی میں نکلے تو پھر آنکھ غلط جگہ پر پڑ رہی ہے۔ کان بھی غلط باتیں سن رہے ہیں۔ زبان سے بھی غلط باتیں نکل رہی ہیں۔ اس طرح تو یہ کورس مکمل نہیں ہوگا۔

روزے کا ایئر کنڈیشنر لگا دیا لیکن؟

جس طرح علاج ضروری ہے۔ اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لیے رکھوایا، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، لیکن تقویٰ اس وقت پیدا ہوگا جب اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں سے پرہیز کروگے۔ مثلاً کمرہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آپ نے اس میں ایئر کنڈیشنر لگایا اور ایئر کنڈیشنر کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پورے کمرے کو ٹھنڈا کردے، اب آپ نے اس کو آن کردیا، لیکن ساتھ ہی اس کمرے کی کھڑکیاں، دروازے کھول دیے اِدھر سے ٹھنڈک آرہی ہے اور ادھر سے نکل رہی ہے۔ لہٰذا کمرہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح یہ سوچیے کہ روزہ کا ایئر کنڈیشنر تو آپ نے لگادیا، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف اللہ کی نافرمانی اور معصیتوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ اب بتائیے ایسے روزے سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟

اصل مقصد "حکم کی اتباع"

اسی طرح روزے کے اندر یہ حکمت کہ اس کا مقصد قوتِ بہیمیہ توڑنا ہے یہ بعد کی حکمت ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے حکم کی اتباع ہو اور سارے دین کا مدار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع ہے۔ وہ جب کہیں کہ کھاؤ، اس وقت کھانا دین ہے اور جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ، اس وقت نہ کھانا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنی اتباع کا عجیب نظام بنایا ہے کہ سارا دن تو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس پر بڑا اجر وثواب رکھا، لیکن ادھر آفتاب غروب ہوا اُدھر یہ حکم آگیا کہ اب جلدی افطار کرو اور افطار میں جلدی کرنے کو مستحب قرار دیا اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ

ہے۔[1] کیوں ناپسندیدہ ہے؟ اس لیے کہ جب آفتاب غروب ہوگیا تو اب ہمارا یہ حکم آگیا کہ اب بھی اگر نہیں کھاؤ گے اور بھوکے رہو گے تو یہ بھوک کی حالت ہمیں پسند نہیں۔ اس لیے کہ اصل کام ہماری اتباع کرنا ہے۔ اپنا شوق پورا نہیں کرنا ہے۔

ہمارا حکم توڑ دیا

عام حالات میں دنیا کی کسی چیز کی حرص اور ہوس بہت بری چیز ہے، لیکن جب وہ کہیں کہ حرص کرو، تو پھر حرص ہی میں لطف اور مزہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بہ فرقِ قناعت بعد ازیں

جب سلطانِ دین یہ چاہ رہے ہیں کہ میں حرص اور طمع کروں تو پھر قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت میں مزہ نہیں ہے۔ پھر تو طمع اور حرص میں مزہ ہے، یہ افطار میں جلدی کرنے کا حکم اسی وجہ سے ہے، غروبِ آفتاب سے پہلے تو یہ حکم تھا ایک ذرہ بھی اگر منہ میں چلا گیا تو گناہ بھی لازم اور کفارہ بھی لازم، مثلاً سات بجے آفتاب غروب ہورہا تھا۔ اب اگر کسی شخص نے چھ بج کر اُنسٹھ منٹ پر ایک چنے کا دانہ کھالیا۔ اب بتایئے کہ روزے میں کتنی کمی آئی؟ صرف ایک منٹ کی کمی آئی، ایک منٹ کا روزہ توڑا، لیکن اس ایک منٹ کے روزے کے کفارے میں ساٹھ دن کے روزے رکھنے واجب ہیں، اس لیے کہ بات صرف ایک چنے اور ایک منٹ کی نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ اس نے ہمارا حکم

---

(۱) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۳/۳۶ و سنن الترمذی ۲/۷۶ (۷۰۰).

توڑا، ہمارا حکم یہ تھا کہ جب تک آفتاب غروب نہ ہوجائے اس وقت تک کھانا جائز نہیں، لیکن تم نے یہ حکم توڑ دیا، لہٰذا اب ایک منٹ کے بدلے میں ساٹھ دن کے روزے رکھو۔

افطار میں جلدی کرو

اور پھر جیسے ہی آفتاب غروب ہوگیا تو یہ حکم آگیا کہ اب جلدی کھاؤ، اگر بلاوجہ تاخیر کردی تو گناہ ہوگا، کیوں؟ اس واسطے کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ کھاؤ، اب کھانا ضروری ہے۔

سحری میں تاخیر افضل ہے

سحری کے بارے میں حکم یہ ہے کہ سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے [1] جلدی کھانا خلافِ سنت ہے، بعض لوگ رات کو بارہ بجے سحری کھا کر سوجاتے ہیں یہ خلافِ سنت ہے، چنانچہ صحابۂ کرام کا بھی یہی معمول تھا کہ بالکل آخری وقت تک کھاتے رہتے تھے اس واسطے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کھانے کی اجازت ہے بلکہ کھانے کا حکم ہے، اس لیے جب تک وہ وقت باقی رہے گا، ہم کھاتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اطاعت اسی میں ہے، اب اگر کوئی شخص پہلے سحری کھالے تو گویا اس نے روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کردیا۔ اس لیے پہلے سے سحری کھانے کو ممنوع قرار دیا۔ پورے دین میں سارا کھیل اتباع کا ہے، جب ہم

---

(۱) سنن النسائی ٤/ ١٤٢ (٢١٥٢) وصحیح البخاری ٣/٢٩ (١٩٢٠) ومصنف عبدالرزاق٤/٢٣١(٧٦١٠).

نے کہا کہ کھاؤ تو کھانا ثواب ہے اور جب ہم نے کہا کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا ثواب ہے۔ اس لیے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ میاں کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ اور بندہ کہے کہ میں تو نہیں کھاتا یا میں کم کھاتا ہوں۔ یہ تو بندگی اور اطاعت نہ ہوئی۔ ارے بھائی نہ تو کھانے میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے۔ سب کچھ ان کی اطاعت میں ہے، اس لیے جب انہوں نے کہہ دیا کہ کھاؤ، تو پھر کھاؤ۔ اس میں اپنی طرف سے زیادہ پابندی کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزارلو

البتہ اہتمام کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب روزہ رکھ لیا تو اب اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ، آنکھوں کو بچاؤ، کانوں کو بچاؤ، زبانوں کو بچاؤ۔ ایک رمضان کے موقع پر ہمارے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو کوئی اور نہیں کہے گا۔ وہ یہ کہ اپنے نفس کو اس طرح بہلاؤ اور اس سے عہد کرلو کہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزارلو۔ جب یہ ایک مہینہ گزر جائے تو پھر تیرا جو جی چاہے کرنا، چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جب یہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزر جائے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں گناہ چھوڑنے کا داعیہ پیدا فرمادیں گے، لیکن یہ عہد کرلو کہ یہ اللہ کا مہینہ آرہا ہے۔ یہ عبادت کا مہینہ ہے۔ یہ تقویٰ پیدا کرنے کا مہینہ ہے، ہم اس میں گناہ نہیں کریں گے اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہے پھر ان سب کے بارے میں یہ عہد کرلے کہ میں ان میں مبتلا نہیں ہوں گا۔

مثلاً یہ عہد کرلے کہ رمضان المبارک میں آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی، کان غلط بات نہیں سنیں گے، زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور فواحشات کو بھی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس ماہ میں رزقِ حلال

دوسری اہم بات جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم اس ایک مہینے میں تو رزقِ حلال کا اہتمام کرلو، جو لقمہ آئے وہ حلال کا آئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے رکھا اور اس کو حرام چیز سے افطار کر رہے ہیں، سود پر افطار ہو رہا ہے یا رشوت پر افطار ہو رہا ہے۔ یا حرام آمدنی پر افطار ہو رہا ہے۔ یہ کیسا روزہ ہوا کہ سحری بھی حرام اور افطاری بھی حرام اور درمیان میں روزہ۔ اس لیے خاص طور پر اس مہینے میں حرام روزی سے بچو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! میں رزقِ حلال کھانا چاہتا ہوں مجھے رزقِ حرام سے بچا لیجیے۔

حرام آمدنی سے بچیں

بعض حضرات وہ ہیں جن کا بنیادی ذریعۂ معاش الحمد للہ حرام نہیں ہے، بلکہ حلال ہے، البتہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حرام آمدنی کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے۔ ایسے حضرات کے لیے حرام سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ وہ کم از کم اس ماہ میں تھوڑا سا اہتمام کرلیں اور حرام آمدنی سے بچیں۔ یہ عجیب قصہ ہے کہ اس ماہ کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ صبر کا مہینہ

ہے۔ یہ مواسات اور غم خواری کا مہینہ ہے ایک دوسرے سے ہمدردی کا مہینہ ہے، لیکن اس ماہ میں مواسات کے بجائے لوگ الٹا کھال کھینچنے کی فکر کرتے ہیں۔ اِدھر رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور اُدھر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کردی، لہٰذا کم ازکم اس ماہ میں اپنے آپ کو ایسے حرام کاموں سے بچالو۔

اگر آمدنی مکمل حرام ہے تو پھر؟

بعض حضرات وہ ہیں جن کا ذریعہ آمدنی مکمل طور پر حرام ہے، مثلاً وہ کسی سودی ادارے میں ملازم ہیں، ایسے حضرات اس ماہ میں کیا کریں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین...... ہر آدمی کے لیے راستہ بتاگئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے آدمی کو جس کی مکمل آمدنی حرام ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر ہوسکے تو رمضان میں چھٹی لے لے اور کم از کم اس ماہ کے خرچ کے لیے جائز اور حلال ذریعہ سے انتظام کرلے، کوئی جائز آمدنی کا ذریعہ اختیار کرلے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اس ماہ کے خرچ کے لیے کسی سے قرض لے لے اور یہ سوچ کہ میں اس مہینے میں حلال آمدنی سے کھاؤں گا اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلاؤں گا۔ کم از کم اتنا تو کرلے۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے

بہرحال! میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ لوگ اس مہینے میں نوافل وغیرہ کا تو اہتمام بہت کرتے ہیں، لیکن گناہوں سے بچنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ

اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کو آسان فرمادیا ہے۔ چنانچہ اس ماہ میں شیطان کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں اور ان کو قید کردیا جاتا ہے[1]۔ لہٰذا شیطان کی طرف سے گناہ کرنے کے وسوسے اور تقاضے ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لیے گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

روزے میں غصے سے پرہیز

تیسری بات جس کا روزے سے خاص تعلق ہے، وہ ہے غصے سے اجتناب اور پرہیز چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مواسات کا مہینہ ہے[2]، ایک دوسرے سے غم خواری کا مہینہ ہے، لہٰذا غصہ اور غصہ کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ مثلاً جھگڑا، مار پٹائی اور تو تکار ان چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ

"وَاِنْ جَهِلَ عَلٰى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلْيَقُلْ اِنِّىْ صَائِمٌ"[3].

یعنی اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔ میں لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ نہ زبان سے لڑنے کے لیے تیار ہوں اور نہ ہاتھ سے۔ اس سے پرہیز کریں۔ یہ سب بنیادی کام ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۲۵/۳ (۱۸۹۹)۔
(۲) صحیح ابن خزیمہ ۱۹۱/۳ (۱۸۸۷)۔
(۳) سنن الترمذی ۱۲۸/۲ (۷٦٤) وقال حدیث حسن، نیز ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۳٦/۳ (۱۹۰٤)۔

رمضان میں نفلی عبادات زیادہ کریں

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے۔ تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا تراویح پڑھنا ضروری ہے اور تلاوتِ قرآن کو چونکہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے، اس لیے حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے [۱]۔ اس لیے جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے اس مہینے میں تلاوت کریں اور اس کے علاوہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر کریں اور تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور درود شریف اور استغفار کا چلتے پھرتے اس کی کثرت کا اہتمام کریں اور نوافل کی جتنی کثرت ہوسکے کریں اور عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں ملتا، لیکن رمضان المبارک میں چونکہ انسان سحری کے لیے اٹھتا ہے۔ تھوڑا پہلے اٹھ جائے اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنالے اور اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ اور مرد باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کریں۔ یہ سب کام تو اس ماہ میں کرنے ہی چاہئیں۔ یہ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہیں، لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین [۲]۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

(۱) صحیح البخاری ۸/۱(۶)

(۲) رمضان المبارک سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کے دیگر بیانات کے لیے "خطباتِ رمضان" ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب۔

زکوٰۃ اور صدقات کی فضیلت

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)
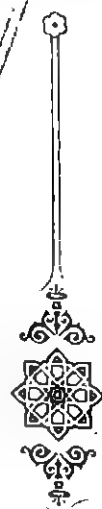
بسم اللہ الرحمن الرحیم

زکوٰۃ اور صدقات کی فضیلت

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی، اس کے مال سے شر دفع ہو گیا(۱)

② حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے اموال کو زکوٰۃ کے ذریعے سے محفوظ کر لو اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعے علاج کر لو اور مصائب کے طوفان کا دعا سے اور اللہ کے آگے گڑگڑا کر استقبال کر لو۔ (۲)

(۱) صحيح ابن خزيمة ١١٠/٤(٢٤٧٠) والمعجم الاوسط ١٦١/٢(١٥٧٩) وأورده الهيثمي في "المجمع" ٢٠٠/٣(٤٣٣٤) وقال: رواه الطبراني في الأوسط، وإسناده حسن، وإن كان في بعض رجاله كلام.

(۲) المراسيل لابی داود ص ١٢٧ (١٠٥) وذكره المنذري في "الترغيب والترهيب" ٣٠١/١ (١١) وقال: رواه أبو داود في المراسيل، ورواه الطبراني، والبيهقي، وغيرهما عن جماعة من الصحابة مرفوعاً متصلاً، والمرسل أشبه.

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو اللہ نے مال دیا ہو، پھر وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایک ایسے سانپ کی شکل میں آئے گا، جو (شدتِ زہر سے) گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، یہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس شخص کی باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ (۱)

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے روز فقراء کی وجہ سے مالداروں کی بڑی خرابی ہوگی فقراء کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ان مالداروں پر ہمارے جو حقوق آپ نے فرض کیے تھے، انہوں نے ان کی ادائیگی میں ہم پر ظلم کیا، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے میری عزت و جلال کی قسم! میں تمہیں (اپنی رحمت سے) قریب کروں گا اور انہیں اپنی رحمت سے دور کروں گا۔ (۲)

⑤ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۰٦(۱٤۰۳)۔

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ۱۰۷/۵ (٤۸۱۳) وأورده الهيثمي في "المجمع" ۱۹۷/۳ (٤۳۲۵) وقال: وفيه الحارث بن النعمان، وهو ضعيف.

جو قوم بھی زکوٰۃ کی ادائیگی روک دیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قحط سالیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (۱)

⑥ حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو عورت بھی اپنے گلے میں سونے کا ہار ڈالے گی (اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گی) تو اس کی گردن میں قیامت کے دن اسی جیسا آگ کا ہار پہنایا جائے گا اور جو عورت بھی اپنے کان میں سونے کی بالی پہنے گی (اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گی) تو قیامت کے دن اس کے کان میں اسی جیسی آگ کی بالی پہنائی جائے گی۔ (۲)

⑦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بندہ (اپنے مال کے بارے میں) کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے اس کے صرف تین حصے ہیں، ایک وہ جسے کھا کر اس نے ختم کر دیا، دوسرے وہ جسے پہن کر اس نے پرانا کر دیا، تیسرے وہ

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ۴۰/۷ (۶۷۸۸) وأورده الهيثمي في "للمجمع" ۲۰۴/۳ (۴۳۵۰) وقال: ورجاله ثقات.

(۲) سنن ابی داود ۹۳/۴ (۴۲۳۸) وسنن النسائی ۱۵۷/۸ (۵۱۳۹) وقال المنذري في "الترغيب والترهيب" ۳۱۳/۱ (۳۱): رواه أبو داود، والنسائي، بإسناد جيد.

جسے اس نے (کسی حاجت مند کو) دے کر (اپنی آخرت کے لیے) ذخیرہ کرلیا، اس کے سوا جتنا مال ہے وہ تو جانے والا ہے اور وہ خود اسے دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔[1]

⑧ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین باتیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں؛

① کسی بندے کا مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا۔

② جب بھی کسی پر کوئی ظلم ہو اور وہ اس پر صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت اور بڑھا دیتا ہے،

③ جب کوئی بندہ (لوگوں سے) بھیک مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و افلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔[2]

⑨ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کا صدقہ اس کی عمر میں اضافہ کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تکبر اور

---

(۱) صحیح مسلم ۲۲۷۳/٤ (۲۹۵۹)۔

(۲) سنن الترمذی ۱۵۳/٤ (۲۳۲۵) وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

فخر (کی بیماریوں) کو زائل کرتا ہے۔ (۱)

⑩ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا (وہ ایسے کہ) ایک شخص کے پاس بہت سارا مال تھا، اس نے اپنے سامان میں سے ایک لاکھ نکال کر صدقہ کر دیا اور دوسری طرف ایک شخص کے پاس کل دو درہم تھے اس نے ان میں سے ایک نکال کر صدقہ کر دیا۔ (۲)

⑪ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> بہترین صدقہ وہ ہے جو بے نیازی چھوڑ جائے (یعنی صدقہ دینے کے بعد بھی اتنا مال انسان کے پاس بچا رہے کہ وہ کسی کا دستِ نگر نہ ہو) اور اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والے کا

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني ۲۲/۱۷ (۳۱) وأورده الهيثمي في "المجمع" ۲۸٤/۳ (٤٦٠٩) وقال: وفيه كثير بن عبدالله المزني، وهو ضعيف. وذكره البوصيري في "الإتحاف" ۳٥/۳ (۲۱۱٦) وقال: رواه إسحاق بن راهويه بسند ضعيف لضعف كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف، وقد حسنها الترمذي وصححها هو وابن خزيمة.

(۲) سنن النسائی ٥۹/٥ (۲٥۲۷) (۲٥۲۸) وقال المناوي في "التيسير" ٥٤/۲: بإسناد صحيح.

ہاتھ) نیچے کے ہاتھ (یعنی لینے والے کے ہاتھ) سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں (خرچ کرنے کی) ابتداء ان لوگوں سے کرو جو تمہارے زیرِ سرپرستی ہیں (یعنی اہل و عیال وغیرہ)۔(۱)

⑫ حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسکین پر صدقہ کرنے میں صدقے کا ثواب ہے اور کسی رشتے دار پر صدقہ کرنے میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا اور ایک صلہ رحمی کا۔(۲)

⑬ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قسم اس ذات کی جس نے مجھے رسالت دے کر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جو یتیم پر رحم کرتا ہو، اس سے نرم بات کرتا ہو اور اس کی یتیمی اور کمزوری پر ترس کھاتا ہو اور اللہ نے جو چیزیں اسے (دوسروں سے) زیادہ عطا فرمائی ہوں، ان کے ذریعے اپنے پڑوسی پر زیادتی نہ کرتا ہو، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

(۱) صحیح البخاری ۶۳/۷ (۵۳۵۵) وصحیح ابن خزیمۃ ۱۱۶۸/۲ (۲۴۳۶)۔
(۲) سنن الترمذی ۳۹/۲ (۶۵۸) وسنن النسائی ۹۲/۵ (۲۵۸۲) وقال الترمذی: حدیث سلمان بن عامر حدیث حسن.

امت! اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے قریبی رشتے دار اس کی صلہ رحمی کے محتاج ہوں اور وہ صدقے کا مال دوسروں پر خرچ کرے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو رحمت کی نظر سے دیکھے گا بھی نہیں"۔ (۱)

❁ ❁ ❁

(۱) المعجم الاوسط ٣٤٦/٨ (٨٨٢٨) وأورده الهيثمي في "المجمع" (٢٩٧/٣) (٤٦٥٢) وقال: وفيه عبد الله بن عامر الأسلمي، وهو ضعيف، وقال أبو حاتم: ليس بالمتروك، وبقية رجاله ثقات.

زکوۃ کی فرضیت اور اہمیت

(اصلاحی خطبات ۱۴/۲۸۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زکوۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

فٰعِلُوْنَ (۴)(۱)

آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، ان میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو لغو کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ ان دونوں صفات کا تفصیلی بیان گزشتہ جمعوں میں ہو چکا، فلاح یافتہ مؤمنوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ

والذین للزکوٰۃ فٰعلون

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے دو معنی

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں: ایک یہ ہے کہ اس سے مراد فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور دوسرا مطلب بعض مفسرین

(۱) سورۃ المومنون آیت (۱تا۴)۔

نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے وہ مشہور معنیٰ مراد نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنیٰ ہیں اپنے اخلاق کو پاک صاف کرنا، عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنیٰ ہیں کسی بھی چیز کو گندگی سے، آلائشوں سے اور نجاست سے پاک کرنا۔ زکوٰۃ کو بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے مال کو پاک کر دیتی ہے، جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ مال گندا ہے اور ناپاک ہے۔

بہرحال! بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں زکوٰۃ کے معنیٰ ہیں اپنے اخلاق کو پاک کرنا، برے اخلاق سے اپنے آپ کو بچانا، لیکن یہ کام کہ اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق سے بچایا جائے، یہ ایک عمل چاہتا ہے، اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ

یعنی جو لوگ اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچانے کے عمل سے گزرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو پاک کر لیتے ہیں۔

بہرحال! اس آیت کریمہ کی یہ دو تفسیریں ہیں۔[1]

زکوٰۃ کی اہمیت

آج اس آیت کے مشہور معنیٰ کے اعتبار سے تفسیر عرض کرتا ہوں، یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ارکان اور فرائض میں سے ہے اور جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ قرآنِ کریم نے بے شمار

(۱) تفسیر ابن کثیر ٥/٤٦٢ طبع دار طیبہ۔

مواقع پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (۱)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

ان آیات کے ذریعے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح نماز کی ادائیگی انسان کے لیے فرض اور ضروری ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی انسان کے لیے اتنے ہی درجے میں فرض اور ضروری ہے، نماز اگر بدنی عبادت ہے جس کو انسان اپنے جسم کے ذریعے ادا کرتا ہے تو زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جس کو انسان اپنے مال سے ادا کرتا ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

اس کے چھوڑنے پر قرآن وحدیث میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَ الۡفِضَّۃَ وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَہَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِہَا جِبَاہُہُمۡ وَ جُنُوۡبُہُمۡ وَ ظُہُوۡرُہُمۡ ؕ ہٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ (۲)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (٤٣)۔

(۲) سورۃ التوبۃ آیت (٣٤-٣٥)۔

یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کر کے جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کو خرچ نہیں کرتے، یعنی جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں خرچ نہیں کرتے، مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی اور قربانی کرنے کا جو حکم دیا ہے اور اسی طرح دوسرے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے کا جو حکم دیا ہے، ان احکام پر عمل نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے کہ ان کو دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس مال کو اور سونے چاندی کو انہوں نے جمع کیا تھا، اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان کی پیشانیاں اس مال سے داغی جائیں گی، جیسے لوہے کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور وہ انگارہ بن جاتا ہے، اسی طرح ان کے مال اور سونے چاندی کو جہنم کی آگ پر گرم کیا جائے گا اور جب وہ آگ پر انگارے کی طرح بن جائے گا تو اس کے بعد ان کی پیشانیاں اس سے داغی جائیں گی اور ان کے پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے پاس جمع کر کے رکھا تھا، آج تم اس مال کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا۔ یہ کتنی سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے بیان فرمائی۔ اس سے پتا چلا کہ یہ زکوٰۃ کتنا عظیم فریضہ ہے۔

زکوٰۃ کے فائدے

اللہ تعالیٰ نے یہ زکوٰۃ کا فریضہ ایسا رکھا ہے کہ اس کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن اس کے فائدے بھی بے شمار ہیں، ایک فائدہ یہ ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مال کی محبت سے محفوظ رکھتا

ہے، چنانچہ جس کے دل میں مال کی محبت ہوگی، وہ کبھی زکوۃ نہیں نکالے گا، کیونکہ بخل اور مال کی محبت انسان کی بد ترین کمزوری ہے اور اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے ذریعے فرمایا ہے۔ زکوۃ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے بے شمار غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ اندازہ لگایا کہ اگر پاکستان کے تمام لوگ ٹھیک ٹھیک زکوۃ نکالیں اور اس زکوۃ کو صحیح مصرف پر خرچ کریں تو یقیناً اس پاکستان سے غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہت سے لوگ تو زکوۃ نکالتے ہی نہیں اور جو بہت سے لوگ زکوۃ نکالتے ہیں تو وہ ٹھیک نہیں نکالتے، بلکہ اندازے سے حساب کتاب کے بغیر نکال دیتے ہیں اور پھر وہ اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس زکوۃ کا مصرف براہ راست غریب لوگ ہیں، اس لیے شریعت نے زکوۃ کو بڑے بڑے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی، لیکن لوگ اس مسئلے کی پرواہ نہیں کرتے اور زکوۃ کو مختلف مصارف پر خرچ کرلیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زکوۃ سے غریبوں کو جو فائدہ پہنچنا چاہیے تھا، وہ فائدہ ان کو نہیں پہنچ رہا، اگر ٹھیک حساب کرکے صحیح مصرف پر زکوۃ خرچ کی جائے تو چند ہی سال میں ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

زکوۃ ادا نہ کرنے کے اسباب

لیکن یہ زکوۃ جتنا بڑا فریضہ ہے اور جتنے بے شمار اس کے فائدے ہیں، اتنی ہی اس کی طرف سے ہمارے معاشرے میں غفلت برتی جارہی ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اس وجہ سے زکوۃ ادا نہیں کرتے کہ ان کے دلوں میں اسلام کے فرائض، واجبات اور ارکان کی اہمیت ہی نہیں ہے، جو پیسہ آرہا ہے، آنے دو

غنیمت ہے اور اس کو اپنے اللے تللے میں خرچ کرتے رہو، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا بننے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو دینی کاموں کے لیے پیسے دیتے رہتے ہیں، کبھی کسی کام کے لیے اور کبھی کسی کام کے لیے، لہٰذا ہماری زکوٰۃ تو خود بخود نکل رہی ہے، اب الگ سے زکوٰۃ نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسائل سے ناواقفیت

بعض لوگ وہ ہیں جن کو پتا ہی نہیں کہ زکوٰۃ کس وقت فرض ہوتی ہے؟ وہ لوگ زکوٰۃ کے احکام سے ناواقف ہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کس شخص پر فرض ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ذمے زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے، وہ ایسا اس لیے سمجھ رہے ہیں کہ ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں کہ کس شخص پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں وہ لوگ زندگی بھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

خوب سمجھ لیں کہ شریعت نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے۔ جس شخص کے پاس وہ نصاب موجود ہوگا، اس پر زکوٰۃ فرض ہوجائے گی اور وہ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے۔ بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت معلوم کرلی جائے، آج کل کے لحاظ سے اس کی قیمت تقریباً چھ ہزار روپے بنتی ہے، لہٰذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چھ ہزار روپے نقد ہوں یا سونے کی شکل میں ہوں یا چاندی کی شکل میں ہوں یا مالِ تجارت کی شکل میں

ہوں، اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، بشرطیکہ یہ روپے اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہوں، یعنی روزہ مرہ کی ضروریات اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی ضرورت سے زائد ہوں، البتہ اگر کسی شخص پر قرض ہے تو جتنا قرض ہے، وہ اس زکوٰۃ کے نصاب سے منہا کرلیا جائے گا۔ مثلاً یہ دیکھا جائے کہ یہی رقم جو ہمارے پاس ہے، اگر اس کو قرض ادا کرنے میں صرف کردی جائے تو باقی کتنی رقم بچے گی، اگر باقی چھ ہزار یا اس سے زائد نہ بچے تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر چھ ہزار روپے یا اس سے زائد بچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ضرورت سے کیا مراد ہے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس چھ ہزار روپے تو ہیں، مگر وہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رکھے ہیں اور شادی کرنا ضرورت میں داخل ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ خیال غلط ہے، اس لیے کہ ضرورت سے زائد مراد زندگی کی روزمرہ کی کھانے پینے کی ضرورت مراد ہے، یعنی اگر وہ ان روپوں کو خرچ کردے گا تو اس کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں بچے گا، اپنے بیوی بچوں کو کھلانے کے لیے کچھ باقی نہیں رہے گا، لیکن جو رقم دوسرے منصوبوں کے لیے رکھی ہے۔ مثلاً بیٹیوں کی شادی کرنی ہے یا مکان بنانا ہے یا گاڑی خریدنی ہے اور اس کے واسطے رقم جمع کرکے رکھی ہے تو وہ رقم ضرورت سے زائد ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ سے مال کم نہیں ہوتا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پیسے بیٹی کی شادی کے لیے رکھے ہیں،

اب اگر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں گے تو وہ رقم ختم ہو جائے گی، یہ کہنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ تو بہت معمولی سی، یعنی ڈھائی فیصد اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے، یعنی ایک ہزار پر پچیس روپے فرض کیے ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس چھ ہزار روپے ہیں تو اس پر صرف ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ فرض ہوگی جو بہت معمولی مقدار ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ مفلس نہیں ہوتا، بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ عطا فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ

"مانقصت صدقة من مال"(۱)

یعنی کوئی صدقہ اور کوئی زکوٰۃ کسی مال میں کمی نہیں کرتی۔

مطلب یہ ہے کہ انسان زکوٰۃ کی مد میں جتنا خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی مال اور عطا فرماتے ہیں اور کم از کم یہ تو ہوتا ہی ہے کہ جتنا مال موجود ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت عطا فرماتے ہیں کہ وہ کام جو ہزاروں میں نکلنا چاہیے تھا، سینکڑوں میں نکل جاتا ہے۔

مال جمع کرنے اور گننے کی اہمیت

آج ہماری دنیا مادہ پرستی کی دنیا ہے، اس مادہ پرستی کی دنیا میں ہر کام کا فیصلہ گنتی سے کیا جاتا ہے، ہر وقت انسان یہ گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۰۱/٤ (۲۵۸۸)۔

پیسے ہیں، کتنے پیسے آئے اور کتنے پیسے چلے گئے، جس کو قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ (۱)

یعنی مال جمع کرتا ہے اور گنتا رہتا ہے۔

لہٰذا آج گنتی کا دور ہے، یہ دیکھتے ہیں کہ گنتی کتنی بڑھی اور کتنی گھٹ گئی، لیکن کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں گنتی گھٹنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑے مال میں کتنا کام نکال دیا اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے نتیجے میں کتنی بے برکتی آگئی، کتنے مسائل کھڑے ہوگئے اور کتنی مصیبتوں کا سامنا ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

فرشتے کی دعا کے مستحق کون؟

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو مسلسل یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ:

”اللّٰهُمَّ أعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ مُمْسِكًا تَلَفًا“(۲)

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہو اور جو صدقہ خیرات کرنے والا ہو، اس کو اس کے مال کا دنیا ہی میں بدلہ عطا فرمائیے۔

---

(۱) سورۃ الھمزہ آیت (۲)۔
(۲) صحیح البخاری ۲/۱۱۵ (۱۴۴۲)۔

آخرت میں اس کو عظیم ثواب ملنا ہی ہے، لیکن وہ فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کو دنیا میں بھی بدلہ عطا فرمائیے اور جو شخص اپنا مال کھینچ کر اور چھپا کر رکھتا ہے، تاکہ مجھے خرچ نہ کرنا پڑے، اے اللہ! اس کے مال پر بربادی ڈالیے اور اس کے مال کو ہلاک فرمائیے، لہذا یہ سوچنا کہ ہم نے تو فلاں مقصد کے لیے یہ پیسے رکھے ہیں اور وہ مقصد بھی ضروری ہے، وہ مقصد بیٹی کی شادی ہے، گھر بنانا ہے، گاڑی خریدنی ہے، اگر ہم نے زکوٰۃ دے دی تو وہ پیسے کم ہوجائیں گے، یہ خیال درست نہیں، بلکہ اگر تم نے زکوٰۃ دے دی اور اس کے ذریعے ظاہری طور پر کچھ کمی بھی آگئی تو یہ کمی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اور دے دیں گے اور جو مال بچا ہے، اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے ان شاء اللہ تمہارا کام نہیں رکے گا۔

زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی شخص فقیر نہیں ہوتا

آج تک کسی شخص کا کام زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے نہیں رکا، بلکہ میں چیلنج کرکے کہتا ہوں کہ کوئی شخص آج تک زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس نہیں ہوا، کوئی شخص ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس ہوگیا ہو، لہٰذا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ جو رقم حج کے لیے رکھی ہوئی ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ کوئی رقم کسی بھی مقصد کے لیے رکھی ہے اور وہ رقم تمہاری روز مرّہ کی ضروریات سے فاضل ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زیور پر زکوٰۃ فرض ہے

اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں ہے، لیکن اس کے پاس زیور کی شکل میں سونا چاندی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اکثر و بیشتر گھروں میں اتنا زیور ہوتا ہے جو نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے، لہٰذا جس کی ملکیت میں وہ زیور ہے چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ہو یا بیٹا اور بیٹی ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر کی ملکیت میں ہے تو شوہر پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بیوی کی ملکیت میں ہے تو بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ آج کل ملکیت کا معاملہ بھی صاف نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر بات صاف اور واضح ہونی چاہیے، لہذا یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شوہر کی ملکیت ہے؟ یا بیوی کی ملکیت ہے؟ اگر اب تک واضح نہیں تھی تو اب واضح کرلو کہ کس کی ملکیت ہے؟ جس کی ملکیت ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شاید آپ پر زکوٰۃ فرض ہو

بہرحال! نصاب زکوٰۃ کے بارے میں یہ شریعت کا دستور ہے، اگر اس کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ بہت سے لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس وجہ سے وہ لوگ زکوٰۃ کے فریضے کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔ یہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق مختصر مسئلہ تھا، اگر زندگی باقی رہی تو تفصیل ان شاء اللہ آئندہ جمعہ عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العٰلمين

آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

(اصلاحی خطبات ۹/۱۲۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ

وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾(۱)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج کا یہ اجتماع اسلام کے ایک اہم رکن یعنی زکوۃ کے موضوع پر منعقد کیا گیا ہے اور رمضان کے مبارک مہینے سے چند روز پہلے یہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ عام طور پر لوگ رمضان المبارک کے مہینے میں زکوۃ نکالتے ہیں۔ لہٰذا اس اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ زکوۃ کی اہمیت، اس کے فضائل اور اس کے ضروری احکام اس اجتماع کے ذریعے ہمارے علم میں آجائیں تاکہ اس کے مطابق زکوۃ نکالنے کا اہتمام کریں۔

زکوۃ نہ نکالنے پر وعید

اس مقصد کے لیے میں نے قرآنِ کریم کی دو آیتیں آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کماحقہ زکوۃ نہیں نکالتے، ان کے لیے بڑے سخت الفاظ میں عذاب کی خبر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۳٤-۳۵)۔

پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔ یعنی جو لوگ اپنا پیسہ، اپنا روپیہ، اپنا سونا چاندی جمع کرتے جا رہے ہیں اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان پر اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اس کو ادا نہیں کرتے ان کو یہ خوشخبری سنا دیجیے کہ ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں دردناک عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس آدمی کی پیشانی، اس کے پہلو اور اس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس کو یہ کہا جائے گا کہ

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، آج تم خزانے کا مزہ چکھو جو تم اپنے لیے جمع کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو روپیہ پیسہ جمع کر رہے ہیں، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کیے ہیں ان کو ٹھیک بجا نہیں لاتے۔ صرف ان آیات میں نہیں، بلکہ دوسری آیات میں بھی وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں، چنانچہ سورۃ الہمزہ میں فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝

یعنی اس شخص کے لیے درد ناک عذاب ہے جو عیب نکالنے والا ہے اور طعنہ دینے والا ہے۔ جو مال جمع کر رہا ہے اور گن گن کر رکھ رہا ہے (ہر روز گنتا ہے کہ آج میرے مال میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے اور اس کی گنتی کر کے خوش ہو رہا ہے) اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے گا ہرگز نہیں۔ (یاد رکھو! یہ مال جس کو وہ گن گن کر رکھ رہا ہے اور اس پر جو واجبات ہیں ان کو ادا نہیں کر رہا ہے اس کی وجہ سے) اس کو روندنے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہیں کیا پتا کہ ''حطمة'' کیا چیز ہوتی ہے؟ (یہ حطمۃ جس میں اس کو ڈالا جائے گا) یہ ایسی آگ ہے جو اللہ کی سلگائی ہوئی ہے (یہ کسی انسان کی سلگائی ہوئی نہیں ہے جو پانی سے بجھ جائے یا مٹی سے بجھ جائے یا جس کو فائر بریگیڈ بجھا دے، بلکہ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے) جو انسان کے قلب و جگر تک جھانکتی ہوگی (یعنی انسان کے قلب و جگر تک پہنچ جائے گی) اتنی شدید وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہ مال کہاں سے آ رہا ہے

زکوٰۃ ادا کرنے پر ایسی شدید وعید کیوں بیان فرمائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تم اس دنیا میں حاصل کرتے ہو، چاہے تجارت کے ذریعے حاصل کرتے ہو، چاہے ملازمت کے ذریعے حاصل کرتے ہو، چاہے کاشت کاری کے ذریعے حاصل کرتے ہو یا کسی اور ذریعے سے حاصل کرتے ہو، ذرا غور کرو کہ وہ مال کہاں سے آ رہا ہے؟ کیا تمہارے اندر طاقت تھی کہ تم اپنے زورِ بازو

سے وہ مال جمع کرسکتے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا حکیمانہ نظام ہے، وہ اپنے اس نظام کے ذریعے تمہیں رزق پہنچا رہا ہے۔

گاہک کون بھیج رہا ہے؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے مال جمع کرلیا اور دکان کھول کر بیٹھ گیا اور اس مال کو فروخت کردیا تو اس کے نتیجے میں مجھے پیسہ مل گیا۔ یہ نہ دیکھا کہ جب دکان کھول کر بیٹھ گئے تو تمہارے پاس گاہک کس نے بھیجا؟ اگر تم دکان کھول کر بیٹھے ہوتے اور کوئی گاہک نہ آتا تو اس وقت کوئی بکری ہوتی؟ کوئی آمدنی ہوتی؟ یہ کون ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ ایک دوسرے کی حاجتیں، ایک دوسرے کی ضرورتیں ایک دوسرے کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کے دل میں ڈال دیا کہ تم جاکر دکان کھول کر بیٹھو اور دوسرے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ اس دکان والے سے خریدو۔

ایک سبق آموز واقعہ

میرے ایک بڑے بھائی تھے جناب محمد ذکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔ لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی ایک دکان ''ادارۂ اسلامیات'' کے نام سے تھی اب بھی وہ دکان موجود ہے۔ وہ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تجارت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور قدرت کے عجیب کرشمے دکھلاتا ہے، ایک دن میں صبح بیدار ہوا تو پورے شہر میں موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بازاروں میں کئی کئی انچ پانی کھڑا تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ آج بارش کا

دن ہے، لوگ گھر سے نکلتے ہوئے ڈر رہے ہیں، سڑکوں پر پانی کھڑا ہے، ایسے حالات میں کون کتاب خریدنے آئے گا اور کتاب بھی کوئی دنیاوی یا کورس اور نصاب کی نہیں، بلکہ دینی کتاب، جس کے بارے میں ہمارا حال یہ ہے کہ جب دنیا کی ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں تب جا کر یہ خیال آتا ہے کہ چلو کوئی دینی کتاب خرید کر پڑھ لیں۔ ان کتابوں سے نہ تو بھوک مٹتی ہے، نہ پیاس بجھتی ہے، نہ اس سے کوئی دنیا کی ضرورت پوری ہوتی ہے اور آج کل کے حساب سے دینی کتابیں ایک فالتو مد ہے۔خیال یہ ہوتا ہے کہ فالتو وقت ملے گا تو دینی کتاب پڑھ لیں گے۔تو ایسی موسلا دھار بارش میں کون دینی کتاب خریدنے آئے گا، لہٰذا آج دکان پر نہ جاؤں اور چھٹی کرلیتا ہوں۔

لیکن چونکہ بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اُٹھائی تھی، فرمانے لگے کہ اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں دوسرا خیال یہ آیا کہ ٹھیک ہے کوئی شخص کتاب خریدنے آئے یا نہ آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کا یہ ذریعہ مقرر فرمایا ہے، اب میرا کام یہ ہے کہ میں جاؤں، جا کر دکان کھول کر بیٹھ جاؤں، گاہک بھیجنا میرا کام نہیں، کسی اور کا کام ہے، لہٰذا مجھے اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، چاہے بارش ہورہی ہو یا سیلاب آرہا ہو، مجھے اپنی دکان کھولنی چاہیے۔ چنانچہ یہ سوچ کر میں نے چھتری اُٹھائی اور پانی سے گزرتا ہوا چلا گیا اور بازار جا کر دکان کھول کر بیٹھ گیا اور یہ سوچا کہ آج کوئی گاہک تو آئے گا نہیں، چلو بیٹھ کر تلاوت ہی کرلیں، چنانچہ ابھی قرآن شریف کھول کر تلاوت کرنے بیٹھا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ برساتیاں ڈال کر اور چھتریاں تان کر کتابیں خریدنے آرہے ہیں، میں

حیران تھا کہ ان لوگوں کو ایسی کون سی ضرورت پیش آ گئی ہے کہ اس طوفانی بارش میں اور بہتے ہوئے سیلاب میں میرے پاس آ کر ایسی کتابیں خرید رہے ہیں جن کی کوئی فوری ضرورت نہیں، لیکن لوگ آئے اور جتنی بکری روزانہ ہوتی تھی اس دن بھی اتنی بکری ہوئی۔ اس وقت دل میں یہ بات آئی کہ یہ گاہک خود نہیں آ رہے ہیں، حقیقت میں کوئی اور بھیج رہا ہے اور یہ اس لیے بھیج رہا ہے کہ اس نے میرے لیے رزق کا سامان اِن گاہکوں کو بنایا ہے۔

کاموں کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

بہرحال! یہ درحقیقت اللہ جل شانہٗ کا بنایا ہوا نظام ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے، جو گاہک کے دل میں ڈال رہا ہے کہ تم اس دکان سے جا کر سامان خریدو۔ کیا کسی شخص نے یہ کانفرنس بلائی تھی اور اس کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ اتنے لوگ کپڑا فروخت کریں گے، اتنے لوگ جوتے فروخت کریں گے، اتنے لوگ چاول فروخت کریں گے، اتنے لوگ برتن فروخت کریں گے اور اس طرح لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ دنیا میں ایسی کوئی کانفرنس آج تک نہیں ہوئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے دل میں یہ ڈالا کہ تم کپڑا فروخت کرو، کسی کے دل میں ڈالا کہ تم جوتے فروخت کرو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جو بازار میں نہ ملتی ہو۔ دوسری طرف خریداروں کے دل میں یہ ڈالا کہ تم جا کر ان سے ضروریات خریدو اور ان کے لیے رزق کا سامان فراہم کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ وہ تمام انسانوں کو اس طرح سے رزق عطا فرما رہا ہے۔

زمین سے اُگانے والا کون ہے؟

خواہ تجارت ہو یا زراعت ہو یا ملازمت ہو، دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے، زراعت کو دیکھیے! زراعت میں آدمی کا کام یہ ہے کہ زمین کو نرم کر کے اس میں بیج ڈال دے اور اس میں پانی دے دے، لیکن اس بیج کو کونپل بنانا، وہ بیج جو بالکل بے حقیقت ہے، جو گنتی میں بھی نہ آئے جو بے وزن ہے، لیکن اتنی سخت زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہوتا ہے اور کونپل بن جاتا ہے، پھر وہ کونپل بھی ایسی نرم اور نازک ہوتی ہے کہ اگر بچہ بھی اس کو اُنگلی سے مسل دے تو وہ ختم ہوجائے، لیکن وہی کونپل سارے موسموں کی سختیاں برداشت کرتی ہے، گرم اور سرد اور تیز ہواؤں کو سہتی ہے، پھر کونپل سے پودا بنتا ہے، پھر اس پودے سے پھول نکلتے ہیں، پھول سے پھل بنتے ہیں اور اس طرح وہ ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ کون ذات ہے جو یہ کام کررہی ہے؟ اللہ جل شانہٗ ہی یہ سارے کام کرنے والے ہیں۔

انسان میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں؟

لہٰذا آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ ہے، چاہے وہ تجارت ہو یا زراعت ہو یا ملازمت ہو، حقیقت میں تو انسان ایک محدود کام کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے، بس انسان وہ محدود کام کردیتا ہے، لیکن اس محدود کام کے اندر کسی چیز کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہیں جو ضرورت کی اشیاء پیدا کرتے ہیں اور تمہیں عطا کرتے ہیں، لہٰذا جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ سب اسی کی عطا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۱)

''زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اسی کی ملکیت ہے۔''

مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے وہ چیز تمہیں عطا کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ چلو تم ہی اس کے مالک ہو، چنانچہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴿۷۱﴾ (۲)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنادیے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے چوپائے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔

مالک حقیقی تو ہم تھے ہم نے تمہیں مالک بنایا تو حقیقت میں وہ مال جو تمہارے پاس آیا ہے اس میں سب سے بڑا حق تو ہمارا ہے، جب ہمارا حق ہے تو پھر اس میں سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو، اگر اس کے حکم کے مطابق خرچ کروگے تو باقی جتنا مال تمہارے پاس ہے وہ تمہارے لیے حلال اور طیب ہے وہ مال اللہ کا فضل ہے، اللہ کی نعمت ہے، وہ مال برکت والا ہے اور اگر تم نے اس مال میں سے وہ چیز نہ نکالی جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۸٤)۔

(۲) سورۃ یسین آیت (۷۱)۔

تو پھر یہ سارا مال تمہارے لیے آگ کے انگارے ہیں اور قیامت کے دن ان انگاروں کو دیکھ لوگے جب ان انگاروں سے تمہارے جسموں کو داغا جائے گا اور تم سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم جمع کیا کرتے تھے۔

صرف ڈھائی فیصد ادا کرو

اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے کہ یہ مال ہماری عطا کی ہوئی چیز ہے لہٰذا اس میں سے ڈھائی فیصد تم رکھو اور ساڑھے ستانوے فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کردو تو بھی انصاف کے خلاف نہیں تھا، کیونکہ یہ سارا مال اسی کا دیا ہوا ہے اور اس کی ملکیت ہے، لیکن اس نے اپنے بندوں پر فضل فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم کمزور ہو اور تمہیں اس مال کی ضرورت ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہاری طبیعت اس مال کی طرف راغب ہے، لہٰذا چلو اس مال سے ساڑھے ستانوے فیصد تمہارا، صرف ڈھائی فیصد کا مطالبہ ہے، جب یہ ڈھائی فیصد اللہ کے راستے میں خرچ کروگے، تو باقی ساڑھے ستانوے فیصد تمہارے لیے حلال ہے اور طیب ہے اور برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا معمولی مطالبہ کرکے سارا مال ہمارے حوالے کردیا کہ اس کو جس طرح چاہو اپنی جائز ضروریات میں خرچ کرو۔

زکوٰۃ کی تاکید

یہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہے، یہ وہ زکوٰۃ ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم میں بار بار ارشاد فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ(1)

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔''

جہاں نماز کا ذکر فرمایا ہے وہاں ساتھ میں زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے، اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے، جب اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید ہے اور دوسری طرف اللہ جل شانہٗ نے اتنا بڑا احسان فرمایا ہے کہ ہمیں مال عطا کیا اور اس کا مالک بنایا اور پھر صرف ڈھائی فیصد کا مطالبہ کیا، تو مسلمان کم از کم اتنا کرلے کہ وہ ڈھائی فیصد ٹھیک اللہ کے مطالبے کے مطابق ادا کردے تو اس پر کوئی آسمان نہیں ٹوٹے گا، کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔

زکوٰۃ حساب کر کے نکالو

بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو زکوٰۃ سے بالکل بے پرواہ ہیں (العیاذ باللہ) وہ تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں ہیں۔ ان کی سوچ تو یہ ہے کہ یہ ڈھائی فیصد کیوں دیں؟ بس جو مال آرہا ہے وہ آئے۔ دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں جن کو زکوٰۃ کا کچھ نہ کچھ احساس ہے اور وہ زکوٰۃ نکالتے بھی ہیں، لیکن زکوٰۃ نکالنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ جب ڈھائی فیصد زکوٰۃ فرض کی گئی تو اب اس کا تقاضا یہ ہے ٹھیک حساب لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کون حساب کتاب کرے، کون سارے اسٹاک کو چیک کرے، لہٰذا بس ایک اندازہ کرکے زکوٰۃ نکال دیتے ہیں، اب اس اندازے میں غلطی بھی واقع ہوسکتی ہے اور زکوٰۃ نکالنے میں کمی بھی ہوسکتی ہے، اگر زکوٰۃ

(1) سورۃ البقرۃ آیت (۴۳)۔

زیادہ نکال دی جائے ان شاء اللہ مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن اگر ایک روپیہ بھی کم ہوجائے یعنی جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس سے ایک روپیہ کم زکوٰۃ نکالی تو یاد رکھیے! وہ ایک روپیہ جو آپ نے حرام طریقے سے اپنے پاس روک لیا ہے وہ ایک روپیہ تمہارے سارے مال کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے۔

وہ مال تباہی کا سبب ہے

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوٰۃ کی رقم شامل ہوجائے یعنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوٰۃ نکالی اور کچھ باقی رہ گئی تو وہ مال انسان کے لیے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے[1]۔ اس وجہ سے اس بات کا اہتمام کریں کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کرکے زکوٰۃ نکالی جائے، اس کے بغیر زکوٰۃ کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں ہوتا۔ الحمدللہ! مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو زکوٰۃ ضرور نکالتی ہے، لیکن اس بات کا اہتمام نہیں کرتی کہ ٹھیک ٹھیک حساب کرکے زکوٰۃ نکالے۔ اس کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم ان کے مال میں شامل رہتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے دنیاوی فوائد

ویسے زکوٰۃ اس نیت سے نکالنی چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس کی

---

(۱) مسند الحميدی ۱/۱۱۵ (۲۳۷) وأورده البوصيري في "الإتحاف" ۳/۷ (۲۰۵۳) وقال: رواه الحميدي ومحمد بن يحيى بن أبي عمر بسند فيه محمد بن عثمان بن صفوان الجمحي، وقد ضعفه أبو حاتم والدارقطني، وذكره ابن حبان في الثقات، وباقي رجال الإسناد ثقات.

رضا کا تقاضہ ہے اور ایک عبادت ہے۔ اس زکوۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو نہ ہو کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بذاتِ خود مقصود ہے، اصل مقصد تو زکوۃ کا یہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ جب کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوائد بھی عطا فرماتے ہیں۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ(۱)

''یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور زکوۃ اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔''

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے حق میں یہ دعا فرماتے ہیں کہ

''اللّٰھم اعط منفقا خلفا واعط ممسکا تلفا''(۲)

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرمایئے اور اے اللہ! جو شخص اپنے مال کو روک کر رکھ رہا ہے اور زکوۃ ادا نہیں کر رہا ہے تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈالیے۔ اس لیے فرمایا:

''مانقصت صدقة من مال''(۳)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۷۶)۔
(۲) صحیح البخاری ۱۱۵/۲ (۱۴۴۲)۔
(۳) صحیح مسلم ۲۰۰۱/۴ (۲۵۸۸)۔

کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا۔

چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اِدھر ایک مسلمان نے زکوٰۃ نکالی دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع پیدا کردیے اور اس کے ذریعے اس زکوٰۃ سے زیادہ پیسہ اس کے پاس آ گیا۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے سے اگرچہ گنتی کے اعتبار سے پیسے کم ہوجاتے ہیں، لیکن بقیہ مال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکت ہوتی ہے کہ اس برکت کے نتیجے میں تھوڑے مال سے زیادہ فوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔

مال میں بے برکتی کا انجام

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے۔ برکت کا مفہوم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ برکت اس چیز کو کہتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز میں زیادہ فائدہ حاصل ہوجائے مثلاً آج آپ نے پیسے تو بہت کمائے، لیکن جب گھر پہنچے تو پتا چلا کہ بچہ بیمار ہے، اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے اور ایک ہی طبّی معائنے میں وہ سارے پیسے خرچ ہوگئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو پیسے کمائے تھے اس میں برکت نہ ہوئی۔ یا مثلاً آپ پیسے کما کر گھر جارہے تھے راستہ میں ڈاکو مل گیا اور اس نے پستول دکھا کر سارے پیسے چھین لیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پیسے تو حاصل ہوئے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوئی۔ یا مثلاً آپ نے پیسہ کما کر کھانا کھایا اور اس کھانے کے نتیجے میں آپ کو بدہضمی ہوگئی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں برکت نہ ہوئی۔ یہ سب بے برکتی کی نشانیاں ہیں۔ برکت یہ ہے کہ آپ نے پیسے تو کم کمائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تھوڑے پیسوں میں زیادہ کام بنادیے اور تمہارے بہت سے کام نکل گئے۔ اس کا نام ہے برکت۔ یہ برکت

اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں اور اس طرح نکالیں جس طرح اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے اور اس کو حساب و کتاب کے ساتھ نکالیں۔ صرف اندازہ سے نہ نکالیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے کہ اس نصاب سے کم کا اگر کوئی شخص مالک ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اگر اس نصاب کا مالک ہوگا تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ وہ نصاب یہ ہے: ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا سامانِ تجارت وغیرہ۔ جس شخص کے پاس یہ مال اتنی مقدار میں موجود ہو تو اس کو ''صاحبِ نصاب'' کہا جاتا ہے۔

ہر ہر روپے پر سال کا گزرنا ضروری نہیں

پھر اس نصاب پر ایک سال گزرنا چاہیے، یعنی ایک سال تک اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب رہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ہر روپے پر مستقل پورا سال گزرے، تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یہ بات درست نہیں، بلکہ جب ایک مرتبہ سال کے شروع میں ایک شخص صاحبِ نصاب بن جائے۔ مثلاً فرض کریں کہ یکم رمضان کو اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب بن گیا پھر آئندہ سال جب یکم رمضان آیا تو اس وقت بھی وہ صاحبِ نصاب ہے تو ایسے شخص کو

صاحبِ نصاب سمجھا جائے گا، درمیان سال میں جو رقم آتی جاتی رہی اس کا کوئی اعتبار نہیں، بس یکم رمضان کو دیکھ لو کہ تمہارے پاس کتنی رقم موجود ہے، اس رقم پر زکوٰۃ نکالی جائے گی، چاہے اس میں سے کچھ رقم صرف ایک دن پہلے ہی کیوں نہ آئی ہو۔

تاریخ زکوٰۃ میں جو رقم ہو اس پر زکوٰۃ ہے

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص کے پاس یکم رمضان کو ایک لاکھ روپیہ تھا، اگلے سال یکم رمضان سے دو دن پہلے پچاس ہزار روپے اس کے پاس اور آگئے اور اس کے نتیجے میں یکم رمضان کو اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپے ہوگئے، اب اس ڈیڑھ لاکھ روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں پچاس ہزار روپے تو صرف دو دن پہلے آئے ہیں اور اس پر ایک سال نہیں گزرا، لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہ ہونی چاہیے یہ درست نہیں بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی جو تاریخ ہے اور جس تاریخ کو آپ صاحبِ نصاب بنے ہیں اس تاریخ میں جتنا مال آپ کے پاس موجود ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، چاہے یہ رقم پچھلے سال یکم رمضان کی رقم سے زیادہ ہو یا کم ہو، مثلاً اگر پچھلے سال ایک لاکھ روپے تھے، اب ڈیڑھ لاکھ روپے ہیں تو ڈیڑھ لاکھ پر زکوٰۃ ادا کرو اور اگر اس سال پچاس ہزار رہ گئے تو اب پچاس ہزار پر زکوٰۃ ادا کرو، درمیان سال میں جو رقم خرچ ہوگئی، اس کا کوئی حساب کتاب نہیں اور اس خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کی اُلجھن سے بچانے کے لیے یہ آسان طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ درمیان سال میں جو کچھ تم نے کھایا پیا اور وہ رقم تمہارے پاس سے چلی گئی تو اس کا کوئی حساب کتاب کرنے کی ضرورت

نہیں۔ اسی طرح درمیان سال میں جو رقم آ گئی اس کا الگ سے حساب رکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس تاریخ میں آئی اور کب اس پر سال پورا ہوگا؟ بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ میں جو رقم تمہارے پاس ہے، اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے۔

اموالِ زکوٰۃ کون سے ہیں

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے کہ اس نے ہر ہر چیز پر زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی۔ ورنہ مال کی تو بہت سی قسمیں ہیں۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ یہ ہیں:

① روپیہ، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، چاہے وہ نوٹ ہو یا سکّے ہوں۔

② سونا، چاندی، چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا سکّے کی شکل میں ہو۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ جو خواتین کا استعمالی زیور ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ صرف سونے چاندی کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، اسی طرح ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ نہیں جب تک تجارت کے لیے نہ ہوں، بلکہ ذاتی استعمال کے لیے ہوں۔

اموالِ زکوٰۃ میں عقل نہ چلائیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

عائد کیا ہوا فریضہ ہے۔ اب بعض لوگ زکوۃ کے اندر اپنی عقل دوڑاتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ اس پر زکوۃ کیوں واجب ہے اور فلاں چیز پر زکوۃ کیوں واجب نہیں؟ یاد رکھیئے کہ یہ زکوۃ ادا کرنا عبادت ہے اور عبادت کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، مگر اللہ کا حکم ماننا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ سونے چاندی پر زکوۃ واجب ہے تو ہیرے جواہرات پر زکوۃ کیوں واجب نہیں؟ اور پلاٹینم پر کیوں زکوۃ نہیں؟ یہ سوال بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ حالت سفر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نماز میں قصر ہے اور چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھی جاتی ہیں تو پھر مغرب میں قصر کیوں نہیں؟ یا مثلاً کوئی شخص کہے کہ ایک آدمی ہوائی جہاز میں فرسٹ کلاس کے اندر سفر کرتا ہے اور اس سفر میں اس کو کوئی مشقت بھی نہیں ہوتی، مگر اس کی نماز آدھی ہوجاتی ہے اور میں کراچی میں بس کے اندر بڑی مشقت کے ساتھ سفر کرتا ہوں، میری نماز آدھی کیوں نہیں ہوتی؟ ان سب کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عبادت کے احکام ہیں، عبادات میں ان احکام کی پابندی کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کام عبادت نہیں رہے گا۔

عبادت کرنا اللہ کا حکم ہے

یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ ہی کو حج ہوتا ہے؟ مجھے تو آسانی یہ ہے کہ آج جا کر حج کر آؤں اور ایک دن کے بجائے میں عرفات تین دن قیام کروں گا، اب اگر وہ شخص ایک دن کے بجائے تین دن بھی وہاں بیٹھا رہے گا تب بھی اس کا حج نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اس کے مطابق نہیں کیا۔ یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ حج کے تین

دنوں میں جمرات کی رمی کرنے میں بہت ہجوم ہوتا ہے اس لیے میں چوتھے دن اکٹھی سارے دنوں کی رمی کرلوں گا۔ یہ رمی درست نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت کے اندر یہ ضروری ہے کہ جو طریقہ بتایا گیا ہے اور جس طرح بتایا گیا ہے اس کے مطابق وہ عبادت انجام دی جائے گی تو وہ عبادت درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کیوں ہے اور ہیرے پر کیوں نہیں؟ یہ عبادت کے فلسفے کے خلاف ہے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی پر زکوٰۃ رکھی ہے، چاہے وہ استعمال کا ہو اور نقد روپیہ پر زکوٰۃ رکھی ہے۔

سامانِ تجارت کی قیمت کے تعین کا طریقہ

دوسری چیز جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ ''سامانِ تجارت'' ہے۔ مثلاً کسی کی دکان میں جو سامان برائے فروخت رکھا ہوا ہے، اس سارے اسٹاک پر زکوٰۃ واجب ہے، البتہ اسٹاک کی قیمت لگاتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہے کہ آدمی زکوٰۃ نکالتے وقت یہ حساب لگائے کہ اگر میں پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کروں تو بازار میں اس کی کیا قیمت لگے گی۔ دیکھیے ایک ''ریٹیل پرائس'' ہوتی ہے اور دوسری ''ہول سیل پرائس'' تیسری صورت یہ ہے کہ پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کرنے کی صورت میں کیا قیمت لگے گی، لہٰذا جب دکان کے اندر جو مال ہے اس کی زکوٰۃ کا حساب لگایا جارہا ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ تیسری قسم کی قیمت لگائی جائے، وہ قیمت نکال کر پھر اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ البتہ احتیاط اس میں ہے کہ عام ''ہول سیل'' قیمت کے حساب سے لگا کر اس پر زکوٰۃ ادا کردی جائے۔

مالِ تجارت میں کیا کیا داخل ہے؟

اس کے علاوہ مالِ تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا یا زمین خریدی یا کوئی مکان خریدا یا گاڑی خریدی اور اس مقصد سے خریدی کہ اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا تو یہ سب چیزیں مالِ تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا اگر کوئی پلاٹ کوئی زمین کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ میں اس کو فروخت کروں گا تو اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ''انویسٹمنٹ'' کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کردوں گا اور فروخت کرکے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لیے مکان بنالیں گے یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھادیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے، کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی خرید کر ڈال دیا ہے، اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بناکر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ کرائے پر چڑھادیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ فروخت کردیں گے تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب خریدتے وقت ہی اس کو دوبارہ فروخت کرنے کی نیت ہو، یہاں تک کہ اگر پلاٹ خریدتے وقت شروع میں یہ نیت تھی کہ اس پر مکان بناکر رہائش اختیار کریں گے بعد میں ارادہ بدل گیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ اب اس کو فروخت

کرکے پیسے حاصل کرلیں گے تو محض نیت اور ارادے کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا جب تک آپ اس پلاٹ کو واقعتاً فروخت نہیں کردیں گے اور اس کے پیسے آپ کے پاس نہیں آجائیں گے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

بہرحال! ہر وہ چیز جسے خریدتے وقت ہی اس کو فروخت کرنے کی نیت ہو، وہ مالِ تجارت ہے اور اس کی مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مالیت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کررہے ہیں۔ مثلاً ایک پلاٹ آپ نے ایک لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج اس پلاٹ کی قیمت دس لاکھ ہوگئی، اب دس لاکھ پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی، ایک لاکھ پر نہیں نکالی جائے گی۔

کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

اسی طرح کمپنیوں کے شیئرز بھی سامانِ تجارت میں داخل ہیں اور ان کی دو صورتیں ہیں، ان کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز اس مقصد کے لیے خریدے ہیں کہ اس کے ذریعے کمپنی کا منافع حاصل کریں گے اور اس پر ہمیں سالانہ نفع کمپنی کی طرف سے ملتا رہے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز ''کیپٹل گین'' کے لیے خریدے ہیں، یعنی نیت یہ ہے کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کرکے نفع

کمائیں گے۔ اگر یہ دوسری صورت ہے یعنی شیئرز خریدتے وقت شروع ہی میں ان کو فروخت کرنے کی نیت تھی تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً آپ نے پچاس روپے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کرکے نفع حاصل کریں گے۔ اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپے ہوگئی تو اب ساٹھ روپے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

لیکن اگر پہلی صورت ہے، یعنی آپ نے کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر سالانہ منافع ملتا رہے گا اور فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ یہ دیکھیں کہ جس کمپنی کے یہ شیئرز ہیں اس کمپنی کے کتنے اثاثے جامد ہیں۔ مثلاً بلڈنگ، مشینری، کاریں وغیرہ اور کتنے اثاثے نقد، سامانِ تجارت اور خام مال کی شکل میں ہیں، یہ معلومات کمپنی ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً فرض کریں کہ کسی کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے نقد، سامان تجارت، خام مال اور تیار مال کی صورت میں ہیں اور چالیس فیصد اثاثے بلڈنگ، مشینری اور کار وغیرہ کی صورت میں ہیں تو اس صورت میں آپ ان شیئرز کی بازاری قیمت لگا کر اس کی ساٹھ فیصد قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں، مثلاً شیئرز کی بازاری قیمت ساٹھ روپے تھی اور کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے قابل زکوٰۃ تھے اور چالیس فیصد اثاثے ناقابل زکوٰۃ تھے تو اس صورت میں آپ ان شیئرز کی پوری قیمت یعنی ساٹھ روپے کے بجائے =/۳۶ روپے پر زکوٰۃ ادا کریں اور اگر کسی کمپنی کے اثاثوں کی تفصیل

معلوم نہ ہوسکے تو اس صورت میں احتیاطاً ان شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ ادا کردی جائے۔

شیئرز کے علاوہ اور جتنے فنانشل انسٹرومنٹس ہیں چاہے وہ بانڈز ہوں یا سرٹیفکیٹس ہوں، یہ سب نقد کے حکم میں ہیں۔ ان کی اصل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کارخانہ کی کن اشیاء پر زکوٰۃ ہے

اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس فیکٹری میں جو تیار شدہ مال ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح جو مال تیاری کے مختلف مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ فیکٹری کی مشینری، بلڈنگ، گاڑیاں وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کاروبار میں شرکت کے لیے روپیہ لگایا ہوا ہے اور اس کاروبار کا کوئی متناسب حصہ اس کی ملکیت ہے تو جتنا حصہ اس کی ملکیت ہے اس حصے کی بازاری قیمت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بہرحال! خلاصہ یہ کہ نقد روپیہ جس میں بینک بیلنس اور فنانشل انسٹرومنٹس بھی داخل ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور سامان تجارت، جس میں تیار مال، خام مال اور جو مال تیاری کے مراحل میں ہیں، وہ سب سامانِ تجارت میں داخل ہیں اور کمپنی کے شیئرز بھی سامانِ تجارت میں داخل ہیں، اس کے علاوہ ہر چیز جو آدمی نے فروخت کرنے کی غرض سے خریدی ہو وہ بھی سامان تجارت میں داخل ہے، زکوٰۃ نکالتے وقت ان سب کی مجموعی مالیت نکالیں اور اس پر زکوٰۃ ادا کریں۔

واجب الوصول قرضوں پر زکوٰۃ

ان کے علاوہ بہت سی رقمیں وہ ہوتی ہیں جو دوسروں سے واجب الوصول ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں کو قرض دے رکھا ہے یا مثلاً مال اُدھار فروخت کر رکھا ہے اور اس کی قیمت ابھی وصول ہونی ہے، تو جب آپ زکوٰۃ کا حساب لگائیں اور اپنی مجموعی مالیت نکالیں تو بہتر یہ ہے کہ ان قرضوں کو اور واجب الوصول رقموں کو آج ہی آپ اپنی مجموعی مالیت میں شامل کرلیں۔ اگرچہ شرعی حکم یہ ہے کہ جو قرضے ابھی وصول نہیں ہوئے تو جب تک وہ وصول نہ ہوجائیں اس وقت تک شرعاً ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، لیکن جب وصول ہوجائیں، تو جتنے سال گزر چکے ہیں ان تمام پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دے رکھا تھا اور پانچ سال کے بعد وہ قرضہ آپ کو واپس ملا تو اگرچہ اس ایک لاکھ روپے پر ان پانچ سالوں کے دوران تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں تھی، لیکن جب وہ ایک لاکھ روپے وصول ہوگئے، تو اب گزشتہ پانچ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ تو چونکہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے میں بعض اوقات دشواری ہوتی ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر سال اس قرض کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کردی جایا کرے، لہٰذا جب زکوٰۃ کا حساب لگائیں تو ان قرضوں کو بھی مجموعی مالیت میں شامل کرلیا کریں۔

قرضوں کی منہائی

پھر دوسری طرف یہ دیکھیں کہ آپ کے ذمے دوسرے لوگوں کے کتنے

قرضے ہیں اور پھر مجموعی مالیت میں سے ان قرضوں کو منہا کردیں، منہا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ قابلِ زکوٰۃ رقم ہے۔ اس کا پھر ڈھائی فیصد نکال کر زکوٰۃ کی نیت سے ادا کردیں۔ بہتر یہ ہے کہ جو رقم زکوٰۃ کی بنے اتنی رقم الگ نکال کر محفوظ کرلیں، پھر وقتاً فوقتاً اس کو مستحقین میں خرچ کرتے رہیں۔ بہرحال زکوٰۃ کا حساب لگانے کا یہ طریقہ ہے۔

قرضوں کی دو قسمیں

قرضوں کے سلسلے میں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ کہ قرضوں کی دو قسمیں ہیں: ایک تو معمولی قرضے ہیں جن کو انسان اپنی ذاتی ضروریات اور ہنگامی ضروریات کے لیے مجبوراً لیتا ہے۔ دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو بڑے بڑے سرمایہ دار پیداواری اغراض کے لیے لیتے ہیں۔ مثلاً فیکٹریاں لگانے یا مشینریاں خریدنے یا مالِ تجارت امپورٹ کرنے کے لیے قرضے لیتے ہیں۔ یا مثلاً ایک سرمایہ دار کے پاس پہلے سے دو فیکٹریاں موجود ہیں، لیکن اس نے بینک سے قرض لے کر تیسری فیکٹری لگالی۔ اب اگر اس دوسری قسم کے قرضوں کو مجموعی مالیت سے منہا کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان سرمایہ داروں پر ایک پیسے کی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ لوگ اُلٹے مستحق زکوٰۃ بن جائیں گے، اس لیے کہ ان کے پاس جتنی مالیت کا مال موجود ہے، اس سے زیادہ مالیت کے قرضے بینک سے لے رکھے ہیں، وہ بظاہر فقیر اور مسکین نظر آرہا ہے لہٰذا ان قرضوں کے منہا کرنے میں بھی شریعت میں فرق رکھا ہے۔

تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں

اس میں تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کے قرضے تو مجموعی مالیت سے منہا ہوجائیں گے اور ان کو منہا کرنے کے بعد زکوۃ ادا کی جائے گی اور دوسری قسم کے قرضوں میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی غرض سے قرض لیا اور اس قرض کو ایسی اشیاء خریدنے میں استعمال کیا جو قابل زکوۃ ہیں، مثلاً اس قرض سے خام مال خرید لیا یا مالِ تجارت خرید لیا، تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا کریں گے، لیکن اگر اس قرض کو ایسے اثاثے خریدنے میں استعمال کیا جو ناقابل زکوۃ ہیں تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا نہیں کریں گے۔

قرض کی مثال

مثلاً ایک شخص نے بینک سے ایک کروڑ روپے قرض لیے اور اس رقم سے اس نے ایک پلانٹ (مشینری) باہر سے امپورٹ کرلیا۔ چونکہ یہ پلانٹ قابل زکوۃ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مشینری ہے تو اس صورت میں یہ قرضہ منہا نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے اس قرض سے خام مال خرید لیا تو چونکہ خام مال قابل زکوۃ ہے اس لیے یہ قرض منہا کیا جائے گا، کیونکہ دوسری طرف یہ خام مال ادا کی جانے والی زکوۃ کی مجموعی مالیت میں پہلے سے شامل ہوچکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نارمل قسم کے قرض تو پورے کے پورے مجموعی مالیت سے منہا ہوجائیں گے اور جو قرضے پیداواری اغراض کے لیے لیے گئے ہیں۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے ناقابل زکوۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا نہیں ہوگا اور اگر قابل زکوۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا ہوگا۔ یہ تو زکوۃ نکالنے کے بارے میں احکام تھے۔

زکوٰۃ مستحق کو ادا کریں

دوسری طرف زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں بھی شریعت نے احکام بتائے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ نکالو، نہ یہ فرمایا کہ زکوٰۃ پھینکو، بلکہ فرمایا:

اٰتُوا الزَّکٰوۃَ

زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی یہ دیکھو کہ اس جگہ پر زکوٰۃ جائے جہاں شرعاً زکوٰۃ جانی چاہیے۔ بعض لوگ زکوٰۃ نکالتے تو ہیں، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ صحیح مصرف پر خرچ ہورہی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ نکال کر کسی کے حوالے کردی اور اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ صحیح مصرف پر خرچ کرے گا یا نہیں؟ آج بے شمار ادارے دنیا میں کام کررہے ہیں، ان میں سے بہت سے ادارے ایسے بھی ہوں گے جن میں بسااوقات اس بات کا لحاظ نہیں ہوتا ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف پر خرچ ہورہی ہے یا نہیں؟ اس لیے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔

مستحق کون؟

اس کے لیے شریعت نے یہ اُصول مقرر فرمایا کہ زکوٰۃ صرف انہی اشخاص کو دی جاسکتی ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو بھی وہ مستحق زکوٰۃ نہیں رہتا۔ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس

کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو۔

مستحق کو مالک بنا کردیں

اس میں بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دو۔ یعنی وہ مستحق زکوٰۃ اپنی ملکیت میں خود مختار ہو کہ جو چاہے کرے۔ اسی وجہ سے کسی بلڈنگ کی تعمیر پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہوں پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔ اس لیے کہ اگر زکوٰۃ کے ذریعے تعمیرات کرنے اور ادارے قائم کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو زکوٰۃ کی رقم سب لوگ کھا پی کر ختم کر جاتے۔ کیونکہ اداروں کے اندر تنخواہیں بے شمار ہوتی ہیں، تعمیرات پر خرچ لاکھوں کا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ غیر صاحبِ نصاب کو مالک بنا کر زکوٰۃ دو، یہ زکوٰۃ فقراء اور غرباء اور کمزوروں کا حق ہے؟ لہٰذا یہ زکوٰۃ انہی تک پہنچنی چاہیے۔ جب ان کو مالک بنا کر دے دو گے تو تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کن رشتے داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے

یہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم انسان کے اندر یہ طلب اور جستجو خود بخود پیدا کرتا ہے کہ میرے پاس زکوٰۃ کے اتنے پیسے موجود ہیں، ان کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ہے۔ اس لیے وہ مستحقین کو تلاش کرتا ہے کہ کون کون لوگ مستحقین ہیں اور ان مستحقین کی فہرست بناتا ہے پھر ان کو زکوٰۃ پہنچاتا ہے۔ یہ بھی انسان کی ذمے داری ہے۔ آپ کے محلے میں، ملنے جلنے والوں میں، عزیز و اقارب اور

رشتے داروں میں، دوست و احباب میں جو مستحق زکوٰۃ ہوں، ان کو زکوٰۃ ادا کریں اور ان میں سے سب سے افضل یہ ہے کہ اپنے رشتے داروں کو زکوٰۃ ادا کریں، اس میں ڈبل ثواب ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ہے اور صلہ رحمی کرنے کا ثواب بھی ہے، اور تمام رشتے داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، صرف دو رشتے ایسے ہیں جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، ایک ولادت کا رشتہ ہے، لہٰذا باپ بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیٹا باپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ دوسرا نکاح کا رشتہ ہے، لہٰذا شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ ان کے علاوہ باقی تمام رشتوں میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً بھائی کو، بہن کو، چچا کو، خالہ کو، پھوپھی کو، ماموں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھ لیں کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور صاحب نصاب نہ ہوں۔

بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی خاتون بیوہ ہے تو اس کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہیے، یہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے، لیکن اگر ایک خاتون بیوہ ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو محض بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح یتیم کو زکوٰۃ دینا اور اس کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ دیکھ کر زکوٰۃ دینی چاہیے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے، لیکن اگر کوئی یتیم ہے مگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ صاحبِ نصاب ہے تو یتیم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ ان احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔

بینکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا حکم

کچھ عرصے سے ہمارے ملک میں سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم ہے، اس کی وجہ سے بہت سے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ کمپنیاں بھی زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کو ادا کرتی ہیں۔ اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

جہاں تک بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا تعلق ہے تو اس کٹوتی سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ احتیاطاً ایسا کرلیں کہ یکم رمضان آنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرلیں کہ میری رقم سے جو زکوٰۃ کٹے گی وہ میں ادا کرتا ہوں، اس سے اس کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے دوبارہ زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اس میں بعض لوگوں کو یہ شبہ رہتا ہے کہ ہماری پوری رقم پر سال پورا نہیں گزرا جب کہ پوری رقم پر زکوٰۃ کٹ گئی۔ اس کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر ہر رقم پر سال گزرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اگر آپ صاحبِ نصاب ہیں تو اس صورت میں سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے بھی جو رقم آپ کے پاس آئی ہے اس پر جو زکوٰۃ کٹی ہے وہ بھی بالکل صحیح کٹی ہے کیونکہ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگئی تھی۔

اکاؤنٹ کی رقم سے قرض کس طرح منہا کریں؟

البتہ اگر کسی شخص کا سارا اثاثہ بینک ہی میں ہے، خود اس کے پاس کچھ بھی موجود نہیں اور دوسری طرف اس کے اوپر لوگوں کے قرضے ہیں تو اس صورت

میں بینک تو تاریخ آنے پر زکوۃ کاٹ لیتا ہے، حالانکہ اس رقم سے قرضے منہا نہیں ہوتے، جس کے نتیجے میں زیادہ زکوۃ کٹ جاتی ہے۔ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ یا تو آدمی وہ تاریخ آنے سے پہلے اپنی رقم بینک سے نکال لے یا کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھ دے، بلکہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں ہی رکھے، سیونگ اکاؤنٹ میں بالکل نہ رکھے۔ اس لیے کہ وہ تو سودی اکاؤنٹ ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ میں زکوۃ نہیں کٹتی۔ بہرحال! زکوۃ کی تاریخ آنے سے پہلے وہ رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں منتقل کر دے، جب کرنٹ اکاؤنٹ سے زکوۃ نہیں کٹے گی تو آپ اپنے طور پر حساب کر کے قرض منہا کر کے زکوۃ ادا کریں۔ دوسرا حل یہ ہے کہ وہ شخص بینک کو لکھ کر دے دے کہ میں صاحبِ نصاب نہیں ہوں اور صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے میرے اوپر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اگر یہ لکھ کر دے دے تو قانوناً اس کی رقم سے زکوۃ نہیں کاٹی جائے گی۔

کمپنی کے شیئرز کی زکوۃ کاٹنا

ایک مسئلہ کمپنی کے شیئرز کا ہے۔ جب کمپنی شیئرز پر سالانہ منافع تقسیم کرتی ہے تو اس وقت وہ کمپنی زکوۃ کاٹ لیتی ہے، لیکن کمپنی شیئرز کی جو زکوۃ کاٹتی ہے وہ اس شیئرز کی فیس ویلیو (Face Value) کی بنیاد پر زکوۃ کاٹتی ہے، حالانکہ شرعاً ان شیئرز کی مارکیٹ قیمت پر زکوۃ واجب ہے۔ لہٰذا فیس ویلیو پر جو زکوۃ کاٹ لی گئی ہے وہ تو ادا ہوگئی البتہ فیس ویلیو اور مارکیٹ ویلیو کے درمیان جو فرق ہے اس کا آپ کو اس بنیاد پر حساب کرنا ہوگا۔ جس کی تفصیل شیئرز کی زکوۃ کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک شیئرز کی فیس ویلیو پچاس روپے تھی اور اس کی مارکیٹ ویلیو ساٹھ روپے ہے، تو اب کمپنی والوں نے

پچاس روپے کی زکوٰۃ ادا کردی۔ لہٰذا دس روپے کی زکوٰۃ آپ کو الگ سے نکالنی ہوگی۔ کمپنی کے شیئرز اور این آئی ٹی یونٹ دونوں کے اندر یہی صورت ہے لہٰذا جہاں کہیں فیس ویلیو پر زکوٰۃ کٹتی ہے وہاں مارکیٹ ویلیو کا حساب کرکے دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

زکوٰۃ کی تاریخ کیا ہونی چاہیے؟

ایک بات یہ سمجھ لیں کہ زکوٰۃ کے لیے شرعاً کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ کوئی زمانہ مقرر ہے کہ اس زمانے میں یا اس تاریخ میں زکوٰۃ ادا کی جائے بلکہ ہر آدمی کی زکوٰۃ کی تاریخ جدا ہوتی ہے۔ شرعاً زکوٰۃ کی اصل تاریخ وہ ہے جس تاریخ اور جس دن آدمی پہلی مرتبہ صاحبِ نصاب بنا، مثلاً ایک شخص یکم محرم الحرام کو پہلی مرتبہ صاحبِ نصاب بنا تو اس کی زکوٰۃ کی تاریخ یکم محرم الحرام ہوگئی، اب آئندہ ہر سال اس کو یکم محرم الحرام کو اپنی زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہیے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم کس تاریخ کو پہلی مرتبہ صاحبِ نصاب بنے تھے۔ اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے وہ اپنے لیے کوئی ایسی تاریخ زکوٰۃ کے حساب کی مقرر کرلے جس میں اس کے لیے حساب لگانا آسان ہو۔ پھر آئندہ ہر سال اسی تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔ البتہ احتیاطاً کچھ زیادہ ادا کریں۔

کیا رمضان المبارک کی تاریخ مقرر کرسکتے ہیں؟

عام طور پر لوگ رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے

کہ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان المبارک میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے[1]۔ لہٰذا زکوٰۃ بھی چونکہ فرض ہے اگر رمضان المبارک میں ادا کریں گے تو اس کا ثواب بھی ستر گنا ملے گا۔ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے اور یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن اگر کسی شخص کو اپنے صاحبِ نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو محض اس ثواب کی وجہ سے وہ شخص رمضان کی تاریخ مقرر نہیں کرسکتا، لہٰذا اس کو چاہیے کہ اسی تاریخ پر اپنی زکوٰۃ کا حساب کرے۔ البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ کرسکتا ہے کہ اگر تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ ادا کررہا ہے تو اس طرح ادا کرتا رہے اور رباقی جو بچے اس کو رمضان المبارک میں ادا کردے، البتہ اگر تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر گنجائش ہے کہ رمضان المبارک کی کوئی تاریخ مقرر کرلے۔ البتہ احتیاطاً زیادہ ادا کردے تاکہ اگر تاریخ کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے جو فرق ہوگیا وہ فرق بھی پورا ہوجائے گا۔

پھر جب ایک مرتبہ جو تاریخ مقرر کرلے تو پھر ہر سال اسی تاریخ کو اپنا حساب لگائے اور یہ دیکھے کہ اس تاریخ میں میرے کیا کیا اثاثے موجود ہیں۔ اس تاریخ میں نقد رقم کتنی ہے، اگر سونا موجود ہے تو اسی تاریخ کی سونے کی قیمت لگائے، اگر شیئرز ہیں تو اسی تاریخ کی ان شیئرز کی قیمت لگائے۔ اگر اسٹاک کی قیمت لگانی ہے تو اسی تاریخ کی اسٹاک کی قیمت لگائے اور پھر ہر سال اسی تاریخ کو حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ اس تاریخ سے آگے پیچھے نہیں کرنا چاہیے۔

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ ۱۹۱/۳ (۱۸۸۷)۔

بہرحال! زکوۃ کے بارے میں یہ تھوڑی سی تفصیل عرض کردی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
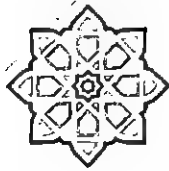
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

(اصلاحی خطبات ۱۴/۲۹۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ

هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ (۱)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

تمہید

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے ان آیات پر بیان ہو رہا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے دو صفات کا تفصیلی بیان ہو چکا، تیسری صفت کا بیان چل رہا ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ کی اہمیت اور زکوٰۃ ادا کرنے پر زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں گزشتہ جمعے کو تفصیل سے عرض کر دیا تھا، آج زکوٰۃ کے بارے میں چند مسائل بیان کرنے کا ارادہ ہے جن سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ اس فریضے کو صحیح طریقے پر ادا نہیں کر رہے ہیں۔

مالکِ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی ملکیت کا مکلف بنایا ہے، ہر انسان پر اس کی ملکیت کے حساب سے احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر باپ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ اس کی ملکیت کے

---

(۱) سورۃ المومنون۔

حساب سے واجب ہے، اگر بیٹا بھی صاحبِ نصاب ہے تو بیٹے پر بھی اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر صاحبِ نصاب ہے اور بیوی بھی صاحبِ نصاب ہے تو شوہر پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور بیوی پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار ہے۔

باپ کی زکوٰۃ بیٹے کے لیے کافی نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کا جو بڑا سربراہ ہے، چاہے وہ باپ ہو یا شوہر ہو، اگر اس نے زکوٰۃ ادا کی پھر کسی اور کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ جس طرح باپ کے نماز پڑھ لینے سے بیٹے کی نماز ادا نہیں ہوتی، بلکہ بیٹے کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی اور جس طرح شوہر کے نماز پڑھ لینے سے بیوی کی نماز ادا نہیں ہوتی، بلکہ بیوی کو اپنی نماز پڑھنی ہو گی۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ گھر کے اندر جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہے، چاہے وہ باپ ہے، بیٹا ہے، بیٹی ہے، شوہر ہے، سب پر اپنی اپنی ملکیت کے حساب سے الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مال پر سال گزرنے کا مسئلہ

ایک مسئلہ جس میں لوگوں کو بکثرت غلط فہمی رہتی ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے، سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگ اس مسئلے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ ہر ہر مال پر الگ الگ سال گزرنا ضروری ہے، حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سارے سال صاحبِ نصاب رہے۔ مثلاً

کسی شخص کے پاس یکم رمضان المبارک کو دس ہزار روپے آگئے، اب یہ شخص صاحبِ نصاب ہوگیا، اب اگر سال کے اکثر حصے میں اس کے پاس ان میں سے چھ ہزار روپے موجود رہے ہیں یا چھ ہزار روپے کی مالیت کا زیور رہا ہے یا مالِ تجارت رہا ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہے، اگر درمیان سال میں اس کے پاس اور روپے آگئے تو اس پر علیحدہ سے مکمل سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگلے رمضان کی پہلی تاریخ کو جتنی رقم یا زیور مالِ تجارت ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دو دن پہلے آنے والے مال کی زکوٰۃ

مثلاً یکم رمضان سے دو دن پہلے اس کے پاس دس ہزار روپے مزید آگئے تو اب یکم رمضان کو اس دس ہزار روپے میں بھی زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، اس پر علیحدہ سے سال گزرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص پورے سال صاحبِ نصاب رہا ہے، اس لیے اگر درمیان میں کوئی اضافہ ہوجائے تو ان پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں۔

زکوٰۃ کن چیزوں میں فرض ہوتی ہے؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ زکوٰۃ ان چیزوں پر فرض ہوتی ہے:

① نقد روپیہ، چاہے بینک میں ہو یا گھر پر ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

② سونے چاندی اور زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، چاہے زیور استعمال ہو رہا ہو یا یونہی رکھا ہوا ہو اور وہ زیور جس کی ملکیت میں ہوگا اسی

پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں بڑی بدنظمی پائی جاتی ہے، گھر میں خاتون کے پاس جو زیور ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے، کیا وہ عورت کی ملکیت ہے یا شوہر کی ملکیت ہے؟ شرعی اعتبار سے اس کو واضح کرنا ضروری ہے۔

زیور کس کی ملکیت ہوگا؟

مثلاً شادی کے موقع پر عورت پر جو زیور چڑھایا جاتا ہے، اس میں سے کچھ زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے اور کچھ زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ سو فیصد لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اور لڑکی ہی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے اور جو زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک طرح سے عاریتاً دیا جاتا ہے، اس کا مالک لڑکا ہوتا ہے، لہٰذا اس زیور کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر لڑکا اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں یہ زیور دے دیا، تم اس کی مالک ہو، تو اب زیور عورت کی ملکیت میں آجائے گا اور اس کی زکوٰۃ عورت ہی پر فرض ہوگی۔ لہٰذا اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ گھر میں جو زیور ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ اس کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو زیور شوہر کی ملکیت ہے، اس کی زکوٰۃ شوہر پر فرض ہوگی اور جو زیور عورت کی ملکیت ہے، اس کی زکوۃ عورت پر فرض ہے۔

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیور کا وزن کرلیا جائے، چونکہ زکوٰۃ سونے کے وزن پر فرض ہوتی ہے اس لیے اگر زیور میں موتی لگے ہوئے ہیں یا کوئی اور دھات اس کے اندر شامل ہے تو وہ وزن میں شامل نہیں ہوں گے، لہٰذا خالص سونا دیکھا جائے کہ اس زیور میں کتنا سونا ہے؟ پھر اس وزن کو کسی جگہ لکھ کر محفوظ کرلیا جائے کہ فلاں میں اتنا سونا ہے، پھر جس تاریخ میں زکوٰۃ کا حساب کیا جائے مثلاً یکم رمضان کو زکوٰۃ کی تاریخ مقرر کی ہوئی ہے تو اب یکم رمضان کو بازار سے سونے کی قیمت معلوم کی جائے کہ آج بازار میں سونے کی کیا قیمت ہے؟ قیمت معلوم کرنے کے بعد اس کا حساب نکالا جائے کہ اس زیور میں کتنی مالیت کا سونا ہے، اس مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، مثلاً اگر سونے کی مالیت ایک ہزار روپے ہے تو اس پر ۲۵ روپے زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر دو ہزار ہے تو پچاس روپے واجب ہوگی اور اگر چار ہزار روپے ہے تو سو روپے زکوٰۃ واجب ہوگی، اس طرح حساب کرکے ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کردی جائے، سونے کی قیمت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کررہے ہیں، جس دن آپ نے سونا خریدا تھا، اس دن کی قیمت خرید معتبر نہیں ہوگی۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ

تیسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، وہ مالِ تجارت ہے مثلاً کسی شخص نے کوئی دکان کھولی ہوئی ہے، اب اس دکان میں جتنا مال رکھا ہے، اس کی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اس طرح لگائی جائے گی کہ اگر اس کا پورا سامان

آج ایک ساتھ فروخت کیا جائے تو اس کی کیا قیمت لگے گی، بس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کرنا ہوگا۔

کمپنی کے شیئرز میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کمپنی کے شیئرز خریدے ہوئے ہیں تو وہ شیئرز بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا شیئرز کی جو بازاری قیمت ہے، اس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا ہوگا۔ آج کل کمپنیاں خود شیئرز کی زکوٰۃ کاٹ لیتی ہیں، لیکن وہ کمپنیاں شیئرز کی اصل قیمت پر زکوٰۃ کاٹتی ہیں، بازاری قیمت پر نہیں کاٹتیں، مثلاً کمپنی کے اصل شیئرز کی قیمت دس روپے ہے اور بازار میں اس کی قیمت پچاس روپے ہے، اب کمپنی تو دس روپے کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ لے گی، لیکن درمیان میں چالیس روپے کا جو فرق ہے، اس کی زکوٰۃ شیئرز ہولڈرز کو خود ادا کرنی ضروری ہے۔

مکان یا پلاٹ میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے یعنی اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس پلاٹ کو فروخت کرکے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس مکان اور پلاٹ کی مالیت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدا بلکہ رہائش کی نیت سے خریدا ہے یا اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس مکان کو کرایہ پر دے کر اس سے آمدنی حاصل کروں گا تو اس صورت میں مکان کی

مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جو کرایہ آئے گا وہ نقدی میں شامل ہو کر اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔

خام مال میں زکوۃ

بہر حال بنیادی طور پر تین چیزوں میں زکوۃ واجب ہوتی ہے:

① نقدی

② زیور

③ مالِ تجارت۔

مالِ تجارت میں خام مال بھی شامل ہوگا، مثلاً اگر کسی کمپنی کے اندر خام مال پڑا ہوا ہے تو زکوۃ کا حساب جس دن کیا جائے گا، اس دن اس خام مال کی قیمت لگا کر اس کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی اور جو مال تیار ہے، اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

بیٹے کی طرف سے باپ کا زکوۃ ادا کرنا

لیکن اگر زکوۃ تین افراد پر الگ الگ فرض ہے اور ان میں کوئی ایک دوسرے کو اجازت دے دے کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ میری طرف سے زکوۃ ادا کردیں، پھر وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے زکوۃ ادا کر دے، چاہے اپنے پیسوں سے ادا کر دے تب بھی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ مثلاً ایک شخص کے تین بیٹے بالغ ہیں اور تینوں صاحبِ نصاب ہیں، یعنی تینوں بیٹوں کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر قابلِ زکوۃ اثاثے

موجود ہیں، لہٰذا تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے اور باپ پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے، لیکن اگر باپ اپنے بیٹوں کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، بشرطیکہ بیٹوں کی طرف سے اجازت ہو، اجازت کے بعد اگر باپ ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

بیوی کی طرف سے شوہر کا زکوٰۃ ادا کرنا

اسی طرح اگر شوہر بھی صاحبِ نصاب ہے اور بیوی بھی صاحبِ نصاب ہے، کیونکہ اس کے پاس اتنا زیور ہے جو نصاب زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، لیکن بیوی کے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں، اب وہ بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور تو کر نہیں سکتی، لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ میں تمہاری زکوٰۃ ادا کرتا ہوں اور بیوی اس کو اجازت دے دے اور پھر شوہر اپنے پیسوں سے اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو بیوی کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ البتہ اگر شوہر بخیل ہے اور بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، تب بھی بیوی پر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا۔ چاہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے اس کو اپنا زیور ہی کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔

زیور کی زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں چاندی کی انگوٹھیاں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ انگوٹھیاں کہاں

سے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ کہیں سے حاصل کی ہیں، اس لیے کہ یہ مجھے اچھی لگ رہی تھیں۔ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو؟ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اس کے بدلے تمہیں آخرت میں آگ کی انگوٹھیاں پہنائی جائیں تو بیشک اس کی زکوٰۃ نہ نکالو، لیکن اگر آگ کی انگوٹھیاں پہننے سے بچنا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا خواتین کو زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا بہت اہتمام کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ زیور ان کی ملکیت ہو۔

عورت کی ملکیت میں زیور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیور یا تو اس نے اپنے پیسوں سے خریدا ہو یا کسی نے اس کو ہدیے میں دیا ہو یا وہ شادی کے موقع پر اپنی ماں کے گھر سے لائی ہو یا شوہر وہ زیور مہر کے طور پر بیوی کی ملکیت میں دے دے، مثلاً مہر پچاس ہزار روپے تھا اور شادی کے موقع پر شوہر کی طرف سے زیور چڑھایا گیا، لیکن چونکہ اس وقت کوئی وضاحت شوہر نے نہیں کی تھی، اس لیے وہ زیور شوہر کی ملکیت میں تھا، اب اگر وہ شوہر یہ کہہ دے کہ میں نے شادی کے موقع پر جو زیور چڑھایا ہے، وہ تمہیں مہر کے طور پر دیتا

---

(۱) سنن ابی داود ۹۵/۲ (۱۵۶۵) والحديث سكت عنه أبو داود والمنذري. وذكره الحافظ في "التلخيص" ۳۹۰/۲، وعزاه إلى أبي داود، والدارقطني، والحاكم، والبيهقي، وقال: إسناده على شرط الصحيح.

ہوں، یہ تمہارا مہر کا حصہ ہے تو اس صورت میں اس زیور کے ذریعے مہر ادا ہوجائے گا اور بیوی اس زیور کی مالک بن جائے گی، اب اس زیور کی زکوٰۃ بیوی پر فرض ہوگی، شوہر پر فرض نہیں ہوگی، اب بیوی کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے، چاہے خود پہنے یا فروخت کر دے یا کسی کو دے دے، شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ بیوی کو ان کاموں سے روکے، اس لیے کہ وہ زیور اب اس کی ملکیت بن چکا ہے۔

بہر حال! ہر چیز کا یہی حکم ہے کہ جو شخص جس چیز کا مالک ہے، اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر دوسرا شخص اس کی اجازت سے رضا کارانہ طور پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دے دے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، مثلاً بیوی کی طرف سے شوہر دے دے یا اولاد کی طرف سے باپ دے دے بشرطیکہ اجازت ہو، بغیر اجازت کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ اس کا اپنا فریضہ ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقفیت بہت پھیلی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، لیکن بسا اوقات وہ زکوٰۃ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتی اور اس کے نتیجے میں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا وبال سر پر رہتا ہے۔ اس لیے خدا کے لیے زکوٰۃ کے بنیادی مسائل کو سیکھ لیں، یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں، کیونکہ انسان کے پاس جتنے اثاثے ہیں، ان میں سے صرف تین چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ایک سونا چاندی پر دوسرے نقد روپے اور تیسرے سامانِ تجارت پر یعنی ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ان

کے علاوہ گھر کے اندر جو استعمال کی اشیاء ہیں مثلاً گھر کا فرنیچر، گاڑی، رہائشی مکان، استعمال کے برتن وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں، البتہ گھر میں یا بینک میں جو رقم رکھی ہے یا گھر میں جو زیور اور سونا چاندی ہے یا کوئی مکان یا کوئی پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر رہنے کے لیے مکان خریدا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہر حال زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ آسان ہے، زیادہ مشکل نہیں ہے، لیکن ذرا سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے اس ستون کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ٹھیک ادائیگی کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

چار پیسے کا فائدہ

(ذکر و فکر ص ۱۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چار پیسے کا فائدہ

ہمارے ایک تاجر دوست نے ایک مرتبہ یہ لطیفہ سنایا کہ ایک شخص دن رات اپنے کاروبار میں اتنا منہمک تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے سوا کوئی اور فکر نہ تھی، جب اس کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ جنت میں یا جہنم میں؟ اس نے بے ساختہ جواب دیا "جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو، وہاں بھیج دو"۔

یہ لطیفہ ہے تو یقیناً گھڑا ہوا، لیکن اس خاص ذہنیت اور مزاج کی تصویر ہے جس کے نزدیک اس کائنات میں پیسے سے بڑی کوئی چیز نہیں، جس کے ہر ہر قول و فعل، نقل و حرکت اور انداز و ادا کا مقصد پیسے میں اضافہ کرنا ہے اور جس کام کے نتیجے میں پیسہ حاصل نہ ہو یا کوئی معاشی فائدہ نہ ملے، وہ کام قطعی بے کار ہے اور اس کے پیچھے اپنی توانائی خرچ کرنا حماقت ہے۔

کچھ عرصے سے اسلامی عبادتوں کے بارے میں بھی بعض لوگ اسی ذہنیت سے سوچنے لگے ہیں، یعنی اسلام میں جو عبادتیں فرض یا واجب قرار دی گئی ہیں یا جنہیں مسنون یا مستحب قرار دیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے

مادی اور معاشی فوائد کی تلاش شروع کردی ہے، اگر کسی عبادت میں کوئی معاشی یا کسی اور نوعیت کا مادی فائدہ نظر آ گیا تو یہ حضرات نہ صرف خوش ہوتے ہیں بلکہ اس مادی فائدے کو عبادت کا اصل مقصد قرار دے دیتے ہیں اور اگر کسی عبادت میں کوئی معاشی فائدہ نظر نہ آیا تو نہ صرف یہ کہ خود اسے انجام نہیں دیتے، بلکہ یہ بات تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیتے ہیں کہ وہ کوئی عبادت ہے۔ قرآنِ کریم نے اسی طرزِ عمل کی طرف بڑے بلیغ انداز میں اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ (۱)

لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو ایک کنارے کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر (عبادت سے) انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہوگئے اور اگر انہیں کسی آزمائش سے سابقہ پڑ گیا تو (عبادت سے) منہ موڑلیا، ایسے لوگوں نے دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان کیا۔

اسی بنا پر بعض حضرات اس قربانی کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں، جو عید الاضحیٰ کے موقع پر انجام دی جاتی ہے، انہیں چونکہ اس عمل میں کوئی معاشی فائدہ نظر نہیں آتا، اس لیے وہ یہ باور نہیں کرپاتے کہ ایک ایسا

---

(۱) سورۃ الحج آیت (۱۱)۔

عمل جو کسی نظر آنے والے معاشی یا مادی فائدے سے خالی ہو، عبادت کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اسلام اس کی طرف کس طرح دعوت دے سکتا ہے؟ ایسے حضرات یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر ''قربانی'' میں کوئی معاشی فائدہ ہونا ضروری ہے تو وہ ''قربانی'' کیا ہوئی؟ یہ سالانہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس قربانی کی یادگار ہے، اس میں کون سا معاشی یا مادی فائدہ تھا؟ ایک باپ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو، بیٹا بھی کون سا؟ امنگوں اور مرادوں سے مانگا ہوا، جس نے ابھی بلوغ کی منزل بھی طے نہیں کی، باپ نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ میرے معصوم بچے کو کس جرم کی سزا دی جارہی ہے؟ وہ تو ابھی کسی جرم کے ارتکاب کے بھی لائق نہیں۔

پھر باپ نے بیٹے کو بھی بتایا کہ خواب کے ذریعے یہ صبر آزما واقعہ مجھے دکھایا گیا ہے، بیٹا نابالغ تھا، مگر جانتا تھا کہ پیغمبر کا خواب جھوٹا نہیں ہوسکتا، اس نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ میرا کیا جرم ہے، جس کی سزا میں مجھے ذبح کیا جائے گا اور آخر اس حکم میں حکمت ومصلحت کیا ہے؟

آخر میں ہوا کیا؟ یہ الگ بات ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا، تو اس وقت باپ اور بیٹا دونوں اس کا یہی مطلب سمجھے تھے کہ باپ کے ذمے فرض کیا گیا ہے کہ وہ بیٹے کو ذبح کرے، یعنی ایک ایسا عمل کرے جو نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ عام حالات میں قانوناً اور اخلاقاً ہر اعتبار سے انتہائی سنگین جرم ہے، لیکن چونکہ یقین تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لیے اس کی حکمت ومصلحت پوچھنا بندگی کے خلاف تھا، چنانچہ باپ بیٹے دونوں حکم کی تعمیل پر کمربستہ ہوگئے، دونوں اس جذبے سے سرشار تھے کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شاعروں نے تو یہ کہہ کر شاعری کی ہے کہ ؎

نہ بود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہ ؎

متاعِ جان کو سنبھالے رہیں خرد والے
ہم ابتدائے سفر ہی اسی زیاں سے کریں

لیکن عشق و محبت اور بندگی کے اس آخری درجے پر جیتے جاگتے عمل کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے نے دکھایا۔

اس عظیم قربانی کی یادگار میں ایک مسلمان سے جان نہیں، مال کا ایک حصہ مانگا گیا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ صاحب استطاعت ہو۔ اب اگر وہ اس ادنیٰ سے مطالبہ پر بھی یہ سوال کرے کہ اس قربانی میں میرا معاشی فائدہ کیا ہے؟ تو اس سے اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؎

تو بہ یک زخمے گریزانی ز عشق؟
تو بجز نامے، چہ می دانی ز عشق؟

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام کی مقرر کی ہوئی بہت سی عبادتوں میں یقیناً کچھ جسمانی، معاشرتی یا معاشی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً نماز سے نظم وضبط پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے، لیکن یہ فوائد ان عبادتوں کے ضمنی اور ثانوی فوائد ہیں، ان کا

اصل مقصد نہیں ہیں، لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ نماز کا اصل مقصد صحت برقرار رکھنا ہے اور وہ جسمانی ورزش کی غرض سے فرض کی گئی ہے۔ حقیقت میں نماز اور دوسری تمام عبادتوں کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی ہے اور ان کے ذریعے انسان کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کے آگے بے چون و چرا سرخم کرنے کا عادی بنے، اس میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد وہ اپنی بڑی سے بڑی خواہش اور بڑے سے بڑے ذاتی مفاد کو اس حکم پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوگا، اسی جذبے کا نام بندگی ہے، جب تک یہ جذبہ پیدا نہ ہو، اس وقت تک بندگی صرف ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے، اسی لیے بعض عبادتیں ایسی بھی رکھی گئی ہیں جن کا ظاہری اسباب کے لحاظ سے کوئی خاص مادی یا معاشی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مثلاً حج کے دوران بیت اللہ کے گرد چکر کاٹنا، دو پہاڑیوں (صفا اور مروہ) کے درمیان (بظاہر بے مقصد) دوڑنا، منیٰ میں جمرات پر کنکریاں مارنا، اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو یہ سارے کام بظاہر بڑے غیر سنجیدہ اور قطعی غیر معقول نظر آتے ہیں اور صرف روپے پیسے اور معاشی فوائد کے بھنور میں پھنسی ہوئی عقل کبھی یہ باور نہیں کرسکتی کہ ان گھڑ پتھروں سے بنے ہوئے تین ستونوں کو روزانہ کنکر مارنا ایسا کون سا عمل ہے، جس کی خاطر (انفرادی سطح پر) ہزاروں روپے کا اور (اجتماعی سطح پر) کروڑوں کا زرِ مبادلہ خرچ کیا جائے؟ جس کے لیے وہ افراد جن کے ایک ایک گھنٹے کی قیمت ہزاروں میں ہوتی ہے، متواتر کئی کئی دن تک اپنے اوقات اس کام میں صرف کریں؟

بلکہ انسان کو محض ایک معاشی جانور (Economic animal) سمجھنے والی

ذہنیت اگر ''چار پیسے کے فائدے'' کا حساب لگانے پر آجائے تو وہ نماز کے بارے میں بھی یہ حساب لگاسکتی ہے، کہ ایک عام نمازی مسلمان اوسطاً ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ نماز پڑھنے میں خرچ کرتا ہے جو مہینہ میں پینتالیس گھنٹے بن جاتے ہیں، اگر وہ یہ پینتالیس گھنٹے کسی معاشی سرگرمی میں خرچ کرتا تو پیداوار اور آمدنی میں کتنا اضافہ ہوسکتا تھا؟

لیکن جس شخص کے پاس مادی وسائل و اسباب سے آگے بھی کچھ دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو اور وہ یہ حقیقت سمجھ سکتا ہو کہ اس کائنات میں روپے پیسے ہی سب کچھ نہیں ہے، اس کے نزدیک عبادات سے متعلق اعداد و شمار کے اس حساب و کتاب کا مطلب محبت کو تجارت بنانے کے سوا کچھ نہیں۔

قربانی بھی ایک ایسی ہی عبادت ہے کہ اگر اسے خشک کاروباری نقطۂ نظر سے اعداد و شمار کی ترازو میں تولا جائے تو شاید اس میں ٹھیٹھ معاشی فوائد برآمد نہ ہوں، لیکن جو شخص بندگی کی روح اور حقیقت سے آشنا ہو، اسے محبت کے معاملات میں یہ خشک بہی کھاتہ کھولنے ہی سے گھن آئے گی، یہ تجارت نہیں عبادت ہے، جو محبت سے شروع ہوتی ہے اور پرستش تک جاتی ہے، اس میں چار پیسے نفع کی تلاش اس کے بنیادی مقصد ہی کے خلاف ہے، اس کا تو بنیادی مطمحِ نظر ہی یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایسا گہرا جذبہ اطاعت پیدا ہو کہ اللہ کے حکم کے آگے وہ اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہی وہ بنیادی جذبہ ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے، اور جس کے بغیر وہ فرعون و نمرود بن کر دوسروں کے حقوق چھینتا اور ان کے جائز مفادات پر ڈاکے ڈالتا ہے۔ دوسری عبادتوں کی طرح ''قربانی'' بھی یہ جذبہ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، بشرطیکہ وہ عبادت

کے جذبہ سے کی جائے اور اس میں ریا کاری اور دکھاوا مقصود نہ ہو اور نہ وہ محض رسمی خانہ پری اور ماحول کے دباؤ کے تحت انجام دی جائے۔

آخر میں ایک اور ضروری بات کہ اسلام نے جہاں عید الاضحیٰ کے تین دنوں میں قربانی کی عبادت کو باعث فضیلت قرار دیا ہے، وہاں دوسرے بہت سے احکام بھی دیے ہیں، ایک عبادت کی انجام دہی میں دوسرے احکام کو نظر انداز کرنا بندگی کا شیوہ نہیں، مثلاً یہ حکم بھی اسلام ہی نے دیا ہے اور انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے کہ اپنے کسی عمل سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (۱)

یہ حکم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے کہ لوگوں کی گزرگاہ اور راستوں کو گندا نہ کرو، بلکہ راستے میں پڑی ہوئی گندگی یا کسی تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹا دینا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔ (۲)

لہٰذا جہاں قربانی ایک صاحب استطاعت مسلمان کے لیے ضروری ہے وہاں اس کے ذمے یہ بھی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ذبح شدہ جانور کی آلائش کو اس طرح ٹھکانے لگانے کا انتظام کرے کہ اس سے ماحول میں گندگی نہ پھیلے۔ ان آلائشوں کو شارع عام پر ڈال دینا یا انہیں اس طرح چھوڑ کر چلے جانا کہ وہ پڑی سڑتی رہیں اور لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوں، ایک مستقل گناہ ہے اور اس قسم کے گناہ کر کے عبادت انجام دینا بھی عبادت کے بنیادی مقصد سے جہالت کی دلیل ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سنن الترمذی ٤/٤٩٥ (٢٧٩٩) وقال هذا حديث غريب وخالد بن الياس يضعف۔

(۲) صحیح مسلم ١/٢٠٣ (٢٢٣)۔

خلاصہ یہ کہ قربانی ایک عبادت ہے، نہ تو یہ کوئی تجارت ہے، جس میں ''چار پیسے کا فائدہ'' تلاش کیا جائے اور نہ یہ کوئی ہڑ بونگ ہے جو قواعد وضوابط سے آزاد ہو اور اس کے دوران نظم وضبط اور صفائی ستھرائی کے احکام وآداب کو نظر انداز کر دیا جائے، اس عبادت کا اول وآخر پیغام ہی یہ ہے کہ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱)

بے شک میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

۲۲ مئی ۱۹۹۴ء

(۱) سورۃ الانعام آیت (۱۶۲)۔

حج اور عمرہ احادیث کی روشنی میں

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج اور عمرہ احادیث کی روشنی میں

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے اس طرح حج کیا کہ نہ اس کے دوران کوئی فحش کام کیا اور نہ کسی اور گناہ میں مبتلا ہوا، تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح (پاک و صاف ہوکر) لوٹتا ہے جیسے کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔"(۱)

② حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حج اور عمرہ ساتھ ساتھ کرو، اس لیے کہ وہ فقر و فاقہ اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے دھونکنی لوہے اور

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۳۳ (۱۵۲۱) وصحیح مسلم ۲/۹۸۴ (۱۳۵۰)۔

سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے اور جو حج اللہ کے نزدیک قبول ہو جائے، اس کا صلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔"(۱)

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حج کو جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کرو، اس لیے کہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔"(۲)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ عرفات والوں (حاجیوں) کی وجہ سے آسمان والوں (فرشتوں) پر فخر کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے، میرے بندوں کو دیکھو کس طرح پراگندہ بال اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے۔"(۳)

⑤ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) سنن الترمذی ۱٦٤/۲ (۸۱۰) وقال حديث حسن صحيح غريب۔ وسنن النسائی ۱۱۵/۵ (۲٦۳۰).

(۲) مسند احمد ۵۸/۵ (۲۸٦۷) ومستدرک حاکم ٦۱۷/۱ (۱٦٤۵) وقال صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبی فی "التلخيص"۔

(۳) مسند احمد ٦٦۰/۱۱ (۷۰۸۹) وقال الهيثمی فی "مجمع الزوائد" ۵۵۹/۳ (۵۵٤٦) رواه أحمد والطبراني في الصغير والكبير، ورجال أحمد موثقون.

نے ارشاد فرمایا:

”جس شخص کو کسی کھلی ہوئی مجبوری، ظالم بادشاہ یا سخت قسم کی بیماری نے حج سے نہ روکا ہو اور پھر وہ حج کیے بغیر مر جائے تو (اللہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں) وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔“(۱)

⑥ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور دو رکعتیں نماز ادا کرے، تو جتنے قدم وہ اٹھاتا ہے، ان میں سے ہر قدم پر اس کا ایک گناہ معاف ہوتا ہے، ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور اس کے درجات میں ایک درجہ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔“(۲)

⑦ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن الدارمی ۱۱۲۲/۲ (۱۸۲٦) ومعجم ابی یعلی ص۱۹٦ (۲۳۱)۔ وقال الزيلعي في ”نصب الراية“ (٤/٤١١) قال الشيخ في ”الإمام“: وليث هذا هو ابن أبي سليم، وهو ضعيف، وقد روى هذا الحديث عن علي وأبي هريرة وحديث أبي أمامة علي ما فيه أصلحها. وسنن البيهقى الكبرى ٥٤٦/٤ (٨٦٦٠) وقال: وهذا وإن كان إسناده غير قوي فله شاهد من قول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ.

(۲) صحیح ابن خزیمه ۲۲۷/٤ (۲۷۵۳) واصله فی سنن ابن ماجه ٤٤٠/٤ (۲۹٥٦) وقال البوصیری فی ”مصباح الزجاجه“ ۱۹٦/۳: ہذا اسناد رجاله ثقات۔

”عرفہ کے دن شیطان جتنا ذلیل و خوار، حقیر اور غضب ناک ہوتا ہے، اس سے زیادہ ذلیل و خوار حقیر اور غضب ناک وہ کسی دن نہیں ہوتا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہو رہی ہے اور بندوں کے بڑے بڑے گناہ معاف کیے جا رہے ہیں۔“(۱)

⑧ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اپنے بیتِ حرام کے حاجیوں پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے، ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر اور بیس (کعبے کو) دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں۔“(۲)

---

(۱) موطا امام مالک ۱/۵٦٤ (۱۲٦۹).

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ٦/۲٤۸ (٦۳۱٤) والمعجم الکبیر ۱۱/۱۹۵ (۱۱٤۷۵) وأورده الهیثمي في "المجمع" ۳/۵۷۳۹٦۳۱ وقال: رواه الطبراني في الکبیر والأوسط، وفیه یوسف بن السفر، وهو متروك. والحدیث الذی ذکره السخاوی فی "الأجوبة المرضیة" ۱/۳۰ بطرق عدیدة وقال: وأقرب طرق هذا الحدیث إلی الصحة طریق سعید بن سالم، طبع دار الرایة.
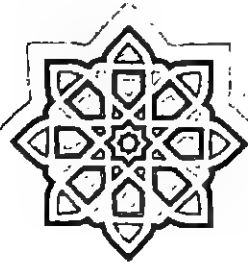
حج کی اہمیت

(نشری تقریریں ص ۵۱)
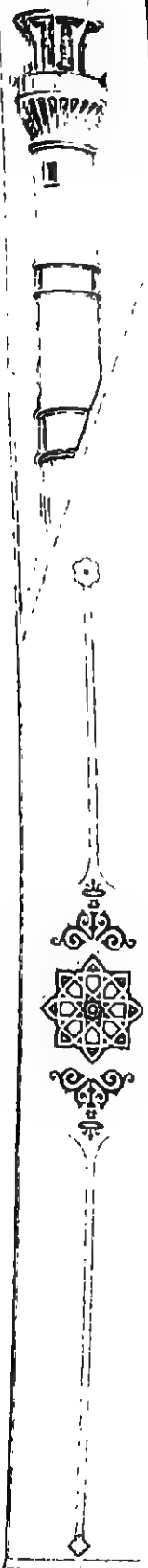
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج کی اہمیت

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آج عرفہ کا دن ہے، یہ دن ایک مسلمان کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، عرفہ کے دن ہزارہا مسلمانوں کی ایک ایسی عبادت تکمیل پاتی ہے جو نہ صرف یہ کہ بذات خود ایک اعلیٰ عبادت ہے بلکہ بہت سی عبادتوں کا مجموعہ اور بہت سی پاکیزہ صفات کا سرچشمہ ہے، آج کے دن لاکھوں فرزندانِ توحید محض خدا کو یاد کرنے کے لیے ایک ایسے میدان میں جمع ہوتے ہیں جس پر خدا کی رحمتوں کے سوا کسی چیز کا سایہ نہیں ہے، تا حد نظر پھیلے ہوئے خشک ریگستان میں کالے اور گورے، عربی اور عجمی، امیر اور غریب اور حاکم اور محکوم کے درمیان ہر امتیاز مٹ جاتا ہے، یہاں ایک جاہ و جلال والا بادشاہ بھی اپنے مالک کے حضور جیسے ایک بے کس اور بے سہارا مزدور۔

یہاں سینکڑوں ملکوں سے آئے ہوئے لاکھوں انسان ایک ہی لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں، یہ سب ایک ہی خدا کو پکارتے ہیں اور ان سب کی زبان پر ایک ہی روح پرور نعرہ ہوتا ہے:

لَبَّيْكَ، اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

حج کی یہ دل آویز عبادت جو سرزمینِ حجاز کی مقدس وادیوں میں ادا کی جاتی ہے، تمام عبادتوں میں ایک منفرد اور نرالی شان رکھتی ہے۔ اس عبادت نے عشق کے اس جذبے کو ایک صحیح رخ مہیا کیا ہے، جو انسان کی فطرت میں داخل ہے اور جس کی وجہ سے وہ کبھی کبھی ''پاسبان عقل'' کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

یہ عبادت ہمیں سکھلاتی ہے کہ عشق و محبت کی صحیح حق دار صرف وہ ذات ہے، جس نے تمہیں اور اس کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اگر پوجنا ہے تو اس کو پوجو، چاہنا ہے تو اس کو چاہو، پکارنا ہے تو اس کو پکارو، مانگنا ہے تو اسی سے مانگو، کسی کے کوچے میں چکر کاٹنے کو جی چاہتا ہے تو اسی کے گھر کا طواف کرو، کسی کی یاد میں سرگرداں پھرنا چاہتے ہو تو اس کی یاد میں سرگرداں پھرو۔

قرآنِ کریم نے بہت سے مواقع پر حج کی اہمیت اور فضیلت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے، سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ[1]

''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو شخص اس کے گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے۔''

اسلام نے اس عبادت کی کس قدر تاکید کی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوگا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔

"من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة أو سلطان جائر أو مرض حابس، فمات ولم يحج، فليمت إن شاء يهوديا وإن شاء نصرانيا"(۱)

جس شخص کو نہ کسی کھلی ضرورت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے اور نہ کسی روکنے والے مرض نے اور اس کے باوجود حج کیے بغیر مرجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

دوسری طرف اس عبادت کی طرف ترغیب دیتے ہوئے بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة"(۲)

جو حج اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے اس کا صلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سنن الدارمی ۱۱۲۲/۲ (۱۸۲٦) ومعجم ابی یعلی ص۱۹٦ (۲۳۱)۔ وقال الزيلعي في "نصب الراية" (٤١١/٤) قال الشيخ في "الإمام": وليث هذا هو ابن أبي سليم، وهو ضعيف، قد روى هذا الحديث عن علي وأبي هريرة وحديث أبي أمامة علي ما فيه أصلحها. وسنن البيهقی الکبری ٥٤٦/٤ (۸٦٦۰) وقال: وهذا وإن كان إسناده غير قوي فله شاهد من قول عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

(۲) صحیح البخاری ۲/۳ (۱۷۷۳) وصحیح مسلم ۹۸۳/۲ (۱۳٤۹)۔

"ما من يوم أكثر من أن يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة"(۱)

اللہ تعالیٰ جتنے بندوں کو عرفہ کے دن آگ کے عذاب سے آزاد کرتا ہے اتنا کسی اور دن نہیں کرتا۔

سوال یہ ہے کہ اس عاشقانِ عبادت کو اسلام میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ قرآنِ کریم نے صرف ایک مختصر جملے میں حج کی حکمتوں کی سمیٹ دیا ہے، ارشاد ہے:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ(۲)

(یعنی حکمت یہ ہے) کہ لوگ (یہاں آکر) کھلی آنکھوں دیکھیں کہ (اس حج میں) ان کے لیے کیسے کیسے فائدے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حج کے فوائد اور حکمتوں کا تھوڑا بہت اندازہ اسی خوش نصیب کو ہوتا ہے جسے اللہ نے عظیم سعادت کی توفیق بخشی ہو۔ وہاں پہنچ کر بلا شبہ وہ کھلی آنکھوں ان فوائد کا مشاہدہ کرتا ہے جنہیں دیکھنا تصوّر کی نگاہ کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ تاہم آیئے! اس عبادت کے اعمال و افعال پر ایک سرسری نظر ڈال کر ان بعض حکمتوں کا ایک معمولی سا اندازہ کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے تصوّر کے دائرے میں آسکتی ہیں۔

(۱) صحیح مسلم ۹۸۲/۲ (۱۳۴۸)۔
(۲) سورۃ الحج آیت (۲۸)۔

حج کی عبادت میں سب سے پہلی بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو بے شمار پاکیزہ صفات سے آراستہ ہونے اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ ذرا تصور کیجیے کہ جو شخص حج بیت اللہ کا عزم کرکے اپنے گھر سے نکل رہا ہے، اسے کس چیز نے اس سفر پر آمادہ کیا ہے؟ اس کے سر میں کون سا سودا سمایا ہوا ہے جو اسے مجبور کر رہا ہے کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑے، مال و دولت، اپنے عزیزوں اور دوستوں کو خیر باد کہے، اپنے وطن کی راحت و آرام کو قربان کرے اور سینکڑوں میل کٹھن راستہ طے کرکے ان صحراؤں کی خاک چھانے، جن میں ظاہری اعتبار سے کوئی دل کشی نہیں؟

آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ایک عازمِ حج کو اس سفر پر ابھارنے والی چیز خدا کی محبت کے سوا کچھ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس سفر پر کوئی شخص اس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کے دل میں خدا کی محبت نہ ہو، اس کے رسول کا عشق نہ ہو، آخرت کی فکر نہ ہو اور اپنے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔

جب یہ شخص اس نیک ارادے کے ساتھ اپنے گھر سے قدم نکالتا ہے تو اس کے دل کی دنیا بالکل بدل جاتی ہے، اب وہ خدا کے راستے کا راہی ہے جسے ہر قدم پر یہ خیال رہتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت اس کے مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو جس کا مہمان بن کر وہ جا رہا ہے، یہ تصور اس کے دل میں نیکی کی امنگ بھلائی کی لگن اور بدی کی نفرت پیدا کرتا ہے۔ اسے ہر آن اپنے مالک کا یہ ارشاد آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے کہ

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ [1]

حج (کے سفر) میں کسی فحش بات کی گنجائش نہیں، کسی گناہ کی گنجائش نہیں اور کسی جھگڑے کی گنجائش نہیں۔

راستے میں اسے اپنے جیسے بہت سے ہم سفر ملتے ہیں، جب وہ یہ تصور کرتا ہے کہ یہ لوگ بھی اسی لگن کو لے کر جا رہے ہیں، جو میرے دل میں موجزن ہے، تو اسے ان لوگوں میں اپنائیت محسوس ہوتی ہے، وہ ان سے محبت کرتا ہے، ان کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آتی ہے تو حتی الامکان اس پر صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ چیز اس کے دل میں دوسروں کے لیے ایثار، اخوت اور عفو درگذر کے قیمتی جذبات پیدا کرتی ہے۔

پھر سفر کے دوران ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جہاں اسے احرام کے بغیر گزرنا جائز نہیں، یہاں پہنچ کر حج کا یہ مسافر اپنی ظاہری زیب و زینت اور لباس کی تمام سج دھج بھی قربان کر ڈالتا ہے، اسے خوشبو لگانے کی اجازت نہیں، وہ سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، اس کے لیے سر اور منہ کو ڈھکنا بھی نا جائز ہے، وہ کسی جانور کا شکار نہیں کر سکتا اور نہ اسے زن و شوہر کے تعلقات قائم کرنے کا اختیار ہے، وہ صرف دو سادہ چادروں میں ملبوس ہے جو اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ اب تک وہ خواہ کچھ ہو، کچھ رہا ہو، اب وہ تمام رشتے ناطے توڑ کر صرف خدا کے در کا ایک بھکاری ہے جس کی زبان پر ایک ہی آواز ہے۔

"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۹۷)۔

الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ"

یہ آواز درحقیقت اس پکار کا جواب ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لگائی تھی، اللہ کے اس منادی نے اس وقت پکار کر کہا تھا کہ اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، اس پکار کے جواب میں دیارِ حبیب کا ہر مسافر بلند آواز سے لبیک کہتا ہے، یعنی میں حاضر ہوں، بارِ الٰہ، میں حاضر ہوں، تیرا شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں، تعریف تیری ہے، نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔

احرام کا یہ فقیرانہ ماحول اس مسافر کے دل میں عاجزی اور انکساری، تواضع اور مسکنت پیدا کرتا ہے اور غرور و تکبر اور نخوت و ریاکاری کے تمام گھناؤنے جذبات کو کچل ڈالتا ہے، یہاں تک کہ جب اللہ کا یہ بندہ اس کے مقدس گھر میں پہنچتا ہے تو اسے اپنی بندگی کے سوا کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا، یہاں اپنی ہستی کے ہر غرور کو خاک میں ملا کر وہ اس کے گھر کے گرد دیوانہ وار چکر کاٹتا ہے، اس کے پتھروں کو چومتا ہے، اس کی چوکھٹ تھام کر روتا اور گڑگڑاتا ہے۔

اس مقدس زمین کا ایک ایک ذرہ، اس کا رشتہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقدس گروہ کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور اس مسافر کے دل میں اسی گروہ کی صفات اپنے آپ میں پیدا کرنے کا داعیہ جنم لیتا ہے، طواف سے فارغ ہو کر وہ مقامِ ابراہیم پر پہنچتا ہے، تو کعبے کے مقدس معماروں کا تصور اس کے دل میں عقیدت و محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے، پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو ایک طرف اسے حضرت ہاجرہ کی وہ آزمائش یاد آتی ہے جو انہوں

نے اللہ کی خوشنودی کے لیے برداشت کی تھیں، دوسری طرف اس کے دل میں خدا کے دین کے لیے سعی وعمل کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

یہاں تک کہ پھر ایک دن وہ مسجد حرام کو بھی خیر باد کہہ کر ان صحراؤں کا رخ کرتا ہے، جہاں کے ہر ہر چپے سے اسلامی تاریخ کے بے شمار واقعات وابستہ ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق کبھی منیٰ میں پڑاؤ ڈالتا ہے، کبھی عرفات میں خیمہ زن ہوتا ہے، کبھی مزدلفہ میں رات گزارتا ہے اور بالآخر منیٰ کے تین جمرات پر بار بار کنکریاں مار کر وہ شیطانی وساوس اور نفسیانی خواہشات کے ساتھ جنگ کرنے کا عملی مظاہرہ پیش کرتا ہے، یہیں پر کسی جانور کی قربانی پیش کرکے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کی یادتازہ کرتا ہے اور گویا ان تمام عبادتوں کے آخر میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وقت آنے پر خدا کے دین کے لیے اپنی جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

آپ نے دیکھا کہ افعالِ حج کی ایک ایک نقل وحرکت اس کے اندر اعلیٰ ترین اوصاف اور پاکیزہ ترین خصلتیں پیدا کرنے میں کتنی مدد کرتی ہے؟

حج کے یہ تمام فائدے انفرادی نوعیت رکھتے ہیں یہ فوائد ہیں جو تنہا حج کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن حج کے فوائد کی فہرست یہاں ختم نہیں ہوجاتی، اب ایک طائرانہ نظر ان فوائد پر ڈال کر دیکھیے، جو حج کی وجہ سے مسلمانوں کے پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حج کے زمانے میں عالمِ اسلام کا ہر گوشہ سفرِ حج کی سرگرمیوں سے معمور ہوجاتا ہے، رمضان المبارک سے لے کر ربیع الاول تک چھ مہینوں میں عازمین حج کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس عرصے میں جو لوگ حج کو نہیں جاتے وہ

بھی حاجیوں کو سفر کے لیے تیار کر کے انہیں رخصت کر کے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کر کے اور ان سے دیارِ حبیب کے پر کیف احوال سن کر کسی نہ کسی درجے میں ان صفات کا ایک حصہ حاصل کر لیتے ہیں، جو حج کا سفر انسان میں پیدا کرتا ہے اور اس طرح پوری دنیا میں ایک اسلامی روح بیدار ہوتی ہے۔

حج کے مسافروں کا یہ قافلہ جس کے دل میں خدا کی رضا جوئی کے سوا کوئی لگن نہیں، جس بستی سے گذرتا ہے، اس کو اپنے اخلاق و اعمال سے متاثر کرتا ہے اور ان کے دلوں میں بھی اس پر کیف سفر کے ولولے پیدا ہوتے ہیں۔

پھر عرفات کے میدان میں کوئی حاجی تنہا نہیں پہنچتا، یہاں لاکھوں فرزندانِ توحید کا ایک دل آویز اجتماع ہوتا ہے، ان کی زبانیں مختلف ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، ان کی نسلیں جدا ہیں، مگر یہ آپس کے ہر فرق کو مٹا کر اس طرح ایک ہوجاتے ہیں کہ ان کا خدا ایک، ان کا رسول ایک، ان کی کتاب ایک، ان کا کعبہ ایک، ان کے لبوں پر پکار ایک، ان کے دلوں میں لگن ایک، یہاں تک کہ ان کے بدن پر لباس ایک ہوتا ہے، اس طرح آسمان کی نگاہیں انسانی اتحاد کا وہ عظیم ترین مظاہرہ دیکھتی ہیں جس کی نظیر دنیا کے کسی گوشے میں نظر نہیں آسکتی۔

یہاں ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے حالات سننے، اسے دکھ سکھ میں شریک کرنے اور پوری ملت کی فلاح و بہبود کے طریقے سوچنے کا موقع ملتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کو اتحاد کے ساتھ تنظیم کی تربیت ملتی ہے، یہاں لاکھوں انسانوں کا لشکر ایک امیر الحج کی پیروی کرتا ہے، اسی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اسی کی تقریریں سن کر ان پر عمل کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روحانی تربیت کی اس عظیم عبادت سے فارغ ہوکر انسان چاہے تو وہ اپنے آپ کو انسانیت کا ایک ایسا مکمل نمونہ بنا سکتا ہے جو اس کے معاشرے کے ہر فرد کے لیے باعث رشک ہو، اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه"(۱)

جو شخص اس طرح حج کرے کہ اس نے کوئی بے حیائی کا کام نہ کیا ہو اور نہ کسی فسق و فجور میں مبتلا ہوا ہو، وہ اس طرح پاک و صاف ہوکر لوٹتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(۱) صحیح البخاری ۱۳۳/۲ (۱۵۲۱)۔

حج کا پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج کا پیغام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا[1]

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔

وقال النبی ﷺ:

"من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه"(۱)

حج کرنے سے سب گناہ معاف

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

یہ میرے لیے سعادت کا موقع ہے کہ آج اس محفل میں ان خوش نصیب افراد سے ملنے کا شرف حاصل ہورہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ ہی عرصہ پہلے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی اور اس عظیم عبادت کی تکمیل کی توفیق بخشی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تمام عبادات میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ ابھی جو حدیث میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی اس میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد اور یہ خوشخبری منقول ہے:

"من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه"

جو شخص حج کرے اور اس طرح کرے کہ نہ تو کوئی فحش بات کی اور نہ کسی فسق و فجور کا ارتکاب کیا ہو، وہ لوٹ کر اس طرح آتا ہے کہ جس طرح آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

(۱) صحیح البخاری ۱۲۳/۲ (۱۵۲۱)۔

یعنی جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے، کوئی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں نہیں ہوتا، اسی طرح جو مسلمان حج کر کے آئے اور ان اوصاف کے ساتھ کرے کہ نہ اس میں کوئی فحش بات کی ہو اور نہ کسی فسق وفجور کا ارتکاب کیا ہو، تو وہ بھی ایسا پاک وصاف ہو کر آتا ہے۔

الحمدللہ! اس وقت ایسے ہی حضرات کا مجمع ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی اور ہم جیسے لوگ جو اس سعادت سے اس سال محروم رہے ان کے لیے آپ حضرات قابلِ رشک ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کی عبادت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اس کو حجِ مبرور کا درجہ عطا فرمائے اور اس کے سارے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

صاف کپڑے پر دھبّہ نمایاں نظر آتا ہے

مجھ سے یہ فرمائش کی گئی ہے کہ حج سے واپسی کے بعد اپنی زندگیوں کو کس طرح حج کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے، اس کے بارے میں کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بات بڑی اہم ہے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادی کہ گناہوں کی معافی فرمادی اور حج سے ایسے لوٹ آئے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں، لیکن اس صفائی اور پاکی کو برقرار کیسے رکھا جائے؟

جب میں مکتب میں پڑھتا تھا تو اس زمانے میں ایک مرتبہ ہمارے استاذ نے ایک بڑی کام کی بات مثال دے کر سمجھائی، درس گاہ کا ایک بچہ جس نے

میلا کچیلا لباس پہنا ہوا تھا، اس کے لباس کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے، دیکھو اس کے لباس پر پہلے سے میل چڑھا ہوا ہے، اگر اس کے اوپر ایک دوسرا داغ لگ جائے گا تو اگرچہ وہ پہلے کے مقابلے میں تھوڑا سا اور میلا ہو جائے گا، لیکن دیکھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلے گا، پھر دوسرا ایک بچہ جس نے بالکل تازہ صاف سفید لباس پہنا ہوا تھا، اس کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس پر داغ لگ جائے تو دور سے نظر آئے گا۔ یہ مثال دے کر فرمانے لگے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کوئی ایسی نعمت عطا فرمائی ہو کہ جس سے تمہارا جسم، تمہارا لباس اور تمہاری روح پاکیزہ ہوگئی ہو تو اس کے بعد زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس پر کوئی دھبہ نہ لگے، کیونکہ یہ دھبہ دور سے نظر آتا ہے۔

آج کی مجلس میں مجھے اپنے استاد کی یہی بات یاد آرہی ہے اور اس کی بنیاد پر میں آج آپ سے یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی عظیم سعادت سے نوازا ہے تو آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے بالکل صاف ستھرا لباس پہنا ہوا ہو، لہٰذا آپ کو گناہوں سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ اگر کہیں گناہ کا دھبہ لگ گیا تو دور سے نظر آئے گا۔

حج کی عبادت عقل میں آنے والی نہیں

حج اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ایک ایسا حکم ہے کہ اگر آپ حج کے افعال پر شروع سے لے کر آخر تک غور کریں اور اگر خالص عقل کی بنیاد پر سوچا جائے تو اس کی کوئی عقلی حکمت اور مصلحت نظر نہیں آتی۔ یہ ایک ایسی عاشقانہ عبادت ہے کہ اگر اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہو تو بظاہر اس میں عقل کا کوئی

کام نظر نہیں آتا۔ مثلاً ایک گھر کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اگر ساڑھے چھ ہو گئے یا چھ رہ گئے تو طواف نہیں، سات کی جگہ آٹھ کر دیا یا نو کر دیا تو ناجائز ہے، جب وہاں حاضری ہوتی ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ بھئی اگر ہم اکٹھے کئی طواف کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے؟ تو بظاہر عقل کو یہ بات درست لگتی ہے کہ ابھی طواف میں لگے ہوئے ہیں اس ہجوم سے نکل کر جائیں اور پھر جگہ بنائیں پھر واپس آئیں پھر اللہ اکبر کہہ کر پھر طواف شروع کریں اس کے بجائے تین طواف اکٹھے کر لیتے ہیں اور اس کے بعد تینوں طوافوں کی رکعتیں اکٹھی جا کر پڑھتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ مگر نہیں! حکم یہ ہے کہ جب سات چکر لگا لیے، تو بس اب جاؤ اور جا کر دو رکعتیں پڑھو اگر دوسرا طواف کرنا ہے تو پھر نماز کے بعد کرو یہ ہے طریقہ۔ ورنہ سہولت اور عقل کو اگر دیکھو تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ پانچ طواف کیے تو اس کے بعد طواف کی رکعتیں اکٹھی پڑھ لیں۔

اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان دوڑ رہے ہیں یا چل رہے ہیں تو کیا حاصل ہو رہا ہے؟ بظاہر اس میں حکمت اور مصلحت کو دیکھا جائے تو کوئی خاص مصلحت سمجھ میں نہیں آتی، اس سے بھی زیادہ بڑی بات جو عقل میں نہیں آتی یہ ہے کہ وہ تیس پینتیس لاکھ آدمیوں کا مجمع جو ابھی مکہ میں تھا اور مکہ میں مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا تھا اور ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر حاصل کر رہا تھا ۸ / ذی الحجہ کو اسے حکم دیا گیا ہے کہ مسجدِ حرام کو چھوڑ دو اور پانچ نمازیں جا کر منیٰ میں ادا کرو، وہاں اور کوئی کام نہیں ہے اور نہ کوئی عبادت کرنی ہے، بس پانچ نمازیں جا کر پڑھو، سوال یہ ہے کہ آخر حرم کو کیوں چھوڑیں؟ کوئی

یہ کہے کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مل رہا تھا، منیٰ میں کوئی کام نہیں تھا، لیکن ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر وہاں منیٰ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم کیوں دے دیا؟ میں تو یہیں مکہ میں رہ جاتا ہوں، پانچ نمازیں یہاں پڑھتا ہوں پانچ لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملے گا، لیکن جب منیٰ جانے کا حکم ہوا اب اگر کوئی رہے گا، تو پانچ لاکھ تو درکنار ایک نماز کا ثواب ملنا بھی آسان نہیں، جو کچھ ملے گا وہ منیٰ میں ہی ملے گا، پورا شہر پینتیس لاکھ آدمیوں کا وہاں منیٰ جا کر آباد ہوگیا، پھر حکم ہوا کہ یہاں منیٰ میں بھی نہ ٹھہرو، بلکہ اب اگلے دن عرفات جاؤ یہاں منیٰ میں تو کچھ بستی وغیرہ کی سی کیفیت ہوگئی ہے اس لیے صحرا میں جا کر ٹھہرو، سارا دن وہاں گزارو اور ساتھ جس نماز کے بارے میں یہ حکم ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ (1)

یعنی اسے اس کے مقررہ وقت پر ادا کیا جائے۔ گویا وقت کے ساتھ نماز کو پابند کیا ہے اور نماز کی قضا کو گناہ کبیرہ بتایا گیا ہے، لیکن عرفات میں اگر امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہو تو حکم ہے کہ عصر کو بھی ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ پڑھ لو اور دونوں کو جمع کرلو۔ اچھا بھئی، اب مغرب کا وقت آیا تو مغرب کی نماز کی اتنی تاکید ہے کہ جلدی جلدی پڑھو تاخیر نہ کرو۔ بہت سی حدیثیں ہیں جن میں مغرب کی نماز جلدی پڑھنے کا حکم مذکور ہے، لیکن اب حکم ہوا کہ مغرب جلدی نہیں پڑھنی، بلکہ عشاء کے ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھنی ہے، چنانچہ جس

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۱۰۳)۔

سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا، اس سال جب عرفات میں مغرب کا وقت آیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "الصلوٰۃ یارسول اللہ" یارسول اللہ نماز کا وقت ہوگیا یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الصلوٰۃ امامك" کہ نماز آگے آئے گی۔ یہاں تک کہ مزدلفہ آیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ (۱)

تو وہ نماز کی جلدی کی تاکید ختم، بلکہ اب حکم ہے کہ دونوں نمازیں اکٹھی مزدلفہ میں پڑھو، اسی طرح عرفات میں دن گزر گیا تو رات بھی وہیں گزار لیتے، وہاں خیمے وغیرہ لگے ہوئے تھے کھانے پینے کا انتظام تھا، حکم ہوا کہ نہیں جاؤ مزدلفہ اور رات وہاں گزارو جہاں نہ خیمہ ہوگا نہ بستر، بلکہ کھلے آسمان تلے سونا ہوگا پھر وہاں سے بھی چلو اور تین دن منیٰ میں قیام کرو، بھئی! کیا کام ہے منیٰ میں؟ صرف کنکریاں مارنی ہیں، بس یہ کام ہے۔

حرمت وتقدس صرف اللہ کے حکم میں ہے

آپ ذرا تصور کرو کہ منیٰ میں تیس پینتیس لاکھ آدمیوں کے قیام کا انتظام جس پر کروڑوں اربوں روپے خرچ کیا جارہا ہے کس کے لیے؟ صرف کنکریاں مارنے کے لیے، تو عقل کی میزان میں ان اعمال کو تول کر دیکھو تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ یہ ساری تربیت کس بات کی کی جارہی ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ایک بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ دنیا کی کسی چیز میں کچھ نہیں رکھا، نہ کسی چیز میں کوئی ذاتی تقدس ہے اور نہ کسی چیز میں

(۱) صحیح البخاری ۱/۴۰ (۱۳۹)۔

کوئی ذاتی حرمت ہے۔ اگر حرمت و تقدس ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہم نے حکم دیا تھا مسجد حرام کی فضیلت تھی، اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ مل رہا تھا، جب ہم نے حکم دیا تھا کہ کنکر مارو، اس وقت تک کنکر مارنے میں فضیلت تھی، دعائیں قبول ہورہی تھیں ایک ایک کنکر پر ثواب و اجر مل رہا تھا اس پر گناہ معاف ہورہے تھے۔ آج جا کر مارلو، جمرات تو آج بھی کھڑے ہیں اس وقت رش بہت ہوتا ہے مشکل بھی بہت ہوتی ہے، آج تو بڑی آسانی سے سات نہیں، اکیس مارلو، اس پر نہ کوئی ثواب، نہ کوئی عبادت اور نہ کوئی فضیلت، جس دن ہم نے کہا اس دن فضیلت ہے جس طرح ہم نے کہا اس طرح فضیلت ہے، اگر اپنی عقل، اپنی سوچ سے تم کوئی کام کروگے، تو اس میں نہ کوئی فضیلت ہے نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی ثواب ہے بلکہ اجر و ثواب ہمارے حکم کی اطاعت میں ہے اسی طرح حج کی ساری عبادتیں دیکھ لو ساری عبادتوں میں یہی ٹریننگ دی جارہی ہے کہ دین نام ہے اتباع کا، اللہ کے حکم کی پیروی کا اور اس کے علاوہ اپنی سوچ اور اپنی عقل سے اگر کوئی راستہ بناؤگے، تو وہ اللہ کے ہاں دمڑی برابر بھی قیمت نہیں رکھتا، جیسا کہ حج انہی دنوں میں ہوگا، جن دنوں میں ہم نے کرنے کا حکم دیا، ورنہ آج عرفات کا میدان بھی ہے، منیٰ بھی موجود ہے، مزدلفہ بھی موجود ہے، جمرات بھی کھڑے ہیں۔ جا کر کچھ کرنا چاہو کچھ بھی نہیں کرسکتے، کوئی اجر نہیں اس لیے کہ ہم نے آج کے دن میں اجر نہیں رکھا۔

۵ حج سے حاصل ہونے والے اسباق

اگر ہم حج کی عبادت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ہمارے لیے بہت

سے اسباق ہیں، ان میں سے ہر ایک یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے۔

پہلا سبق: دین اتباع کا نام ہے

اس سارے عمل سے پہلا سبق تو یہ دیا جارہا ہے کہ دین نام ہے اتباع کا، ابتداع کا نام دین نہیں، یعنی اپنی طرف سے کوئی طریقہ نکال کر کھڑا ہو جائے اور اس پر چل پڑے کہ مجھے تو یہ اچھا لگ رہا ہے اور مجھے تو یہ عبادت اچھی لگتی ہے لہٰذا میں یہ کام کروں گا، جبکہ وہ نہ اللہ نے فرمایا نہ اللہ کے رسول نے فرمایا اور نہ صحابہ کرام نے عمل کیا، اسی کا نام بدعت ہے۔ بدعات جتنی بھی ہوتی ہیں، وہ ساری کی ساری اپنی ذات میں خراب نہیں ہوتی، اکثر و بیشتر ایسی ہوتی ہیں کہ دیکھنے میں وہ عبادت کے کام معلوم ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق نہیں اور اس کو دین سمجھ لیا گیا، اس لیے بدعت بن گئیں۔

ہمارے معاشرے میں بہت ساری بدعات رائج ہیں جن کو ہم نے عبادت قرار دے دیا، حالانکہ انہیں عبادت نہ اللہ نے بتایا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور نہ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا، تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا حرج ہے اس میں اگر ہم یہ کام کرلیتے ہیں۔ مثلاً تیجہ، بیسواں، چالیسواں وغیرہ، کہتے ہیں کہ اگر سب نے مل کر قرآن شریف پڑھ لیا اور دعوت کردی اور کھانا پکالیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ نیک کام تو کیا ہے۔ کیا قرآن پڑھنا نیکی کا کام نہیں ہے؟ ارے بھائی دعوت جب چاہے کرلو جس دن چاہے کرلو اور قرآن شریف جس دن چاہے پڑھ لو اور ایصال ثواب کردو، لیکن اس خاص طریقے کو اتنا لازم سمجھنا

کہ اس کو دین کا حصہ بنالینا اور اس پر قائم و دائم رہنا کہ اس کے بغیر تو ہمارے مردے کو ٹھنڈک نہیں ملے گی یہ سب غلط اور بدعت ہے، تو یہ چیز اس کو خراب کرتی ہے۔

میں مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب میں اللہ تعالیٰ نے تین رکعتیں رکھی ہیں، لیکن کوئی اگر یہ کہے کہ تین کا عدد تو ذرا عجیب سا لگتا ہے ایک رکعت اور بڑھالو چار پڑھ لو تو چوتھی رکعت اس نے جو پڑھی اس نے کیا گناہ کیا؟ اس نے قرآن زیادہ پڑھا، رکوع زیادہ کیا، سجدے زیادہ کیے، لیکن وہ چوتھی رکعت جو اپنی طرف سے بڑھائی تھی وہ تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی، کیوں کہ یہ اپنی طرف سے بڑھائی ہے اللہ کی طرف سے نہیں، تو اسی طرح ساری بدعات کا حال ہے، تو حج کی عبادت سے ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ دین اتباع کا نام ہے۔

دوسرا سبق: حکم خداوندی کی مصلحت سمجھ میں آنا ضروری نہیں

دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آجائے کہ یہ کام کرو تو پھر اس میں حکمت اور مصلحت تلاش کرنے کی فکر اور یہ فکر کہ ہماری عقل میں آئے کہ یہ حکم کیوں ہے؟ یہ حکمت سمجھ میں آنا کوئی ضروری نہیں، جب حکمِ الٰہی آ گیا تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردے اور اس پر یہ نہ کہے کہ کیوں؟

آج کل کیوں کا بھی بڑا فتنہ پیدا ہوگیا ہے کہ جب کوئی شریعت کا حکم بتایا جائے تو پوچھتے ہیں کیوں؟ سود حرام ہے تو کیوں حرام ہے؟ مطلب یہ کہ اگر ہماری سمجھ میں آئے گا کہ کیا فائدہ ہے تو عمل کریں گے سمجھ میں نہیں آئے گا تو

نہیں کریں گے، ارے خدا کے بندو! یہ سود اس لیے حرام ہے کہ اللہ نے حرام کیا، بس ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ بغیر حکمت و مصلحت کے دیکھے اس پر بلاچون و چرا عمل کرے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، عقل قبول کرے یا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو۔ ابراہیم علیہ السلام نے نہیں پوچھا کیوں؟ نہ بیٹے نے پوچھا کیوں؟ جو حکم آیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے تیار ہو گئے، سارا حج ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے گرد گھومتا ہے۔

یہ دوسرا سبق ہے کہ جب اللہ کا حکم آجائے تو اس پر عمل کرو خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے اسی کو قرآنِ پاک کی ایک آیت میں کچھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ [1]

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کردیں تو کسی مؤمن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہ اختیار ہو کہ چاہے تو قبول کردے چاہے تو رد کردے۔

''کیوں'' کا فتنہ

آج کل ایک فیشن ایبل جملہ بہت رائج ہے کہ بھئی ہم تو ہر چیز کو

(۱) سورۃ الاحزاب آیت (۳۶)۔

''لاجک'' سے سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہر چیز کے پیچھے کیا لاجک ہے؟ دین کے معاملے میں یہ تصور خود ''ان لاجیکل'' ہے، یعنی دین کی ہر بات کو لاجک سے سمجھنا خود لاجک کے خلاف ہے۔

اس کی مثال میں یہ دیتا ہوں کہ جیسا تم نے کوئی نوکر رکھا اور اس نوکر سے کہا کہ بھئی دس کلو گوشت بازار سے لے آؤ، تو وہ پہلے پوچھے کہ بتاؤ کیوں لاؤں دس کلو گوشت؟ آپ تو گھر میں اکیلے ہو دس کلو گوشت منگوا کر کیوں فضول خرچی کر رہے ہو؟ وہ اگر اس طرح ''کیوں'' کہہ کر آپ سے کوئی بات پوچھے تو کیا آپ اپنے ملازم کو یہ حق دینے کے لیے تیار ہیں کہ آپ سے ہر حکم کے بارے میں یہ پوچھا کرے کہ تم نے یہ حکم کیوں دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس کے لیے تیار نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے تو کان پکڑ کر نکال دو گے کہ تم ملازم بننے کے لائق نہیں، حالانکہ تم بھی انسان ہو وہ بھی انسان ہے، جیسے سمجھ تمہاری ہے ویسے کچھ نہ کچھ اس کی بھی ہے جب تم اس کو برداشت نہیں کرتے تو وہ اللہ جو مالک الملک ہے، جس کی حکمت اور علم بہت زیادہ ہے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیں مثلاً سود حرام ہے تو بولو کہ کیوں حرام ہے؟ پہلے لاجک بتاؤ اس کے بعد عمل کروں گا، یہ کیسی کم ظرفی اور بے حسی کی بات ہے!

درحقیقت سارا حج اس کیوں کے سوال کو دور کرنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے رکھا ہے، اس کیوں کو ہر جگہ لگا کر رکھو، یہ طواف کیوں؟ یہ سعی کیوں؟ یہ منیٰ میں ٹھہرنا کیوں؟ یہ عرفات میں ٹھہرنا کیوں؟ یہ مزدلفہ میں ٹھہرنا کیوں؟ یہ کنکریاں مارنا کیوں؟ کیا یہ کنکری جا کر شیطان کو لگتی ہے؟ بعض لوگ سمجھتے ہیں

کہ شیطان کو لگ رہی ہے، شیطان کو تو نہیں لگتی اور اتنی کروڑوں اربوں کنکریاں شیطان کو لگ بھی جائیں تب بھی شیطان کا کچھ بال بیکا نہیں ہوتا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اس لیے کررہے ہیں، تو یہ سبق سکھایا جارہا ہے کہ جب بھی اللہ کا کوئی حکم آئے تو اس حکم کو بے چون و چرا مانو، حکمت اور مصلحت کے پیچھے نہ پڑو۔

تیسرا سبق: اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا تصور

تیسرا سبق جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ احرام باندھنے کے وقت سے لے کر لبیك اللّٰھم لبیك، زبان پر ہے اور احرام کی حالت میں یہ فرمایا گیا کہ کوئی ذکر لبیك سے زیادہ افضل نہیں، عام دنوں میں تو سبحان اللہ و الحمد للہ، لا الہ الا اللہ درود شریف، ہزار اذکار ہیں اور ہر ایک ذکر کی فضیلت ہے احرام کی حالت میں یہ فرمایا گیا کہ سب سے افضل ذکر یہ ہے کہ لبیك اللّٰھم لبیك پڑھتے رہو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یہی درود پڑھتے رہو، جتنی کثرت سے کروگے اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔

یہ ذکر لبیك کیا ہے، لبیك کے معنی ہیں کہ یا اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، تو بار بار یہ کلمہ زبان سے ادا کراکر اور ہر وقت یہ کلمہ زبان سے نکلواکر یہ تصور پیدا کرایا جارہا ہے کہ ایک مؤمن کو یہ سمجھنا چاہیے کہ میں ہر وقت اللہ کے سامنے حاضر ہوں جیسا کہ ایک حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

"ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم لکن تراہ فانہ یراك"[1]

اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ
تصور نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

گویا اس حدیث کے ذریعے ایک مؤمن کے دل میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوں، میرا پروردگار ہر آن مجھے دیکھ رہا ہے میرا ہر قول، میرا ہر فعل اور میری ہر نقل وحرکت اس کی نگاہ میں ہے، کوئی شخص کتنے ہی بڑے سے بڑے گناہ کا عادی ہو، لیکن وہ دیکھے گا کہ میرا باپ دیکھ رہا ہے تو وہ جرأت نہیں کرے گا۔ اسی طرح اللہ پاک ہمارے دلوں میں یہ تصور پیدا کردے کہ ہر وقت ہمارا رب ہمیں دیکھ رہا ہے تو ہمارے لیے بھی گناہ کرنا مشکل ہوجائے گا۔

میرے شیخ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمارہے تھے کہ دیکھو اگر اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے یہ کہے کہ ہم تمہیں معاف کردیں گے، لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ تم نے زندگی بھر کے جتنے اعمال کیے ہوں گے اس کی فلم چلائیں گے اور وہ فلم تمہارے باپ، تمہارے بھائی اور تمہاری بہنیں اور تمہاری بیٹی، تمہاری اولاد، تمہارے استاد، تمہارے مشائخ بھی دیکھیں گے کہ اب تک تم نے کیا کیا، شاید آدمی اس وقت یہ کہہ دے کہ اللہ میاں تھوڑی بہت سزا دیجیے، لیکن اس رسوائی سے بچالیجیے، کیوں کہ آدمی اپنے گناہ کو کسی کے سامنے دکھانے کی جرأت نہیں کرسکتا اسی طرح اگر یہ تصور دل و دماغ میں بیٹھ جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو رات کی تاریکی ہو یا جنگل کی تنہائی، کسی بھی حالت میں

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۹(۵۰)۔

انسان جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس ذکر میں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا تصور پیدا کرو۔

فکرِ حج کو برقرار رکھنا ضروری ہے

فکرِ حج میں ایک اہم بات یہ ہے کہ کیسا ہی گناہ گار انسان ہو، جب حج میں جاتا ہے تو اس کے دل میں ایک فکر پیدا ہوتی ہے کہ میں یہاں حرم میں ہوں کوئی ایسی بات نہ ہوجائے جو یہاں کے احترام کے خلاف ہو، وہ فکر کرتا ہے کہ حرم کی نمازوں میں سے کوئی نماز فوت نہ ہو، لہٰذا اذان سے پہلے نکلنے کی فکر کرتا ہے تاکہ جماعت پوری مل جائے، جماعت نہ چھوٹے، یہ بھی فکر رہتی ہے کہ بھئی حرم میں ہوں کوئی گناہ نہ ہوجائے۔ بہت سے بزرگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح حرم میں نیکیوں کا ایک لاکھ گنا کا ثواب ملتا ہے اسی طرح اللہ بچائے وہاں پر گناہ کا عذاب بھی ڈبل ہے۔ اس واسطے کچھ نہ کچھ فکر رہتی ہے، تو میرے بھائیو! عرض یہ ہے کہ جب وہ فکر اللہ نے وہاں عطا فرمائی تو معلوم ہوا کہ وہ فکر ہماری استطاعت سے باہر نہیں ہے وہاں ہم نے اس پر عمل کیا تو وہی فکر ہم یہاں کیوں نہ کریں کہ اللہ تو وہاں بھی تھا یہاں بھی ہے، نماز کا حکم تو وہاں بھی فرض تھا یہاں بھی فرض ہے کیا وجہ ہے کہ وہاں تو نماز کا اتنا اہتمام ہورہا تھا کہ اذان سے بھی پہلے چلے جارہے ہیں اور یہاں نماز باجماعت کا اہتمام ختم ہوگیا، وہ تربیت جو وہاں شروع کی گئی ہے یہاں اس کے اثرات ختم ہوگئے۔

چوتھا سبق: دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ

ایک اور اہم سبق جو سمجھنے کا ہے وہ یہ ہے کہ حج کے دوران قرآنِ کریم نے حج پر جانے والوں کو جو ہدایت فرمائی۔ مثلاً یہ کہ

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ[1]

کہ حج کے دوران نہ کوئی فحش بات ہو اور نہ کوئی گناہ ہو اور نہ جھگڑا ہو۔

یہ تین ہدایات اس لیے ہیں کہ جب آدمی حج پر جاتا ہے تو ایک ساتھ رہتے ہیں تو اس میں طبیعت کے خلاف باتیں پیش آتی ہیں، غصہ بھی آجاتا ہے تو فرمایا اس غصہ کو پی کر جھگڑے سے بچو، چنانچہ قدم قدم پر تربیت کیا دی جارہی ہے کہ جھگڑے سے بچو، لیکن افسوس ہے کہ آج ہم اس کو بھلائے بیٹھے ہیں حجر اسود کو بوسہ لینا اتنا زبردست فضیلت کا کام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حجرِ اسود کا جو بھی استلام کرے گا قیامت کے دن یہ اس کے حق میں ایمان کی گواہی دے گا۔[2]

اس کے بوسے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، لیکن بوسہ لینے میں اگر کسی کو دھکا دینا پڑے، کسی کو جسمانی تکلیف دینی پڑے تو اس وقت بوسہ دینا جائز نہیں، افسوس ہے کہ مسلمان آج یہ حکم بھولے بیٹھے ہیں، جاکر حجرِ اسود پر دیکھو کہ کیا دھینگا مشتی ہورہی ہے یہ نتیجہ ہے درحقیقت دین کو صحیح نہ سمجھنے کا۔ اگر ڈھنگ سے مسلمانوں کے ذہن میں بات ہوتی کہ کوئی ایسا طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو جس سے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے وہ کرنا چاہیے تو آج یہ منظر سامنے نہ ہوتا جو پیش آرہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۹۷)۔

(۲) اخبار مکۃ للفاکہی ۱۲۳/۳ (۱۹۱۸) ضمن حدیث طویل وقال ھذا حدیث منکر من حدیث مالک بن انس۔ (طبع دار خضر)۔

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"(۱)

مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

ساری معاشرتِ اسلامیہ کا دارومدار اِس پر ہے، لیکن آج ہم نے اس مسئلے کو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے، معاشرت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں رہا، یہ دین کا کوئی حصہ نہیں رہا، یہ جو رمی کے دوران ہر سال کچھ نہ کچھ حادثات پیش آتے ہیں یہ درحقیقت اسلام کے اس معاملے کو صحیح نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، اگر تربیت صحیح ہوتی، اگر دل میں اس بات کا احساس ہوتا کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے اور نظم و ضبط کے ساتھ یہ کام کیا جاتا تو کبھی ایسے حادثات پیش نہ آتے، لیکن یہ پیش آرہے ہیں۔

حج کا حکم "لاجدال في الحج" کہ حج میں جھگڑا نہیں ہے اس لیے دیا گیا ہے تاکہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے، یہ سبق حج سے واپس آنے کے بعد بھی یاد رکھنا ضروری ہے، لہٰذا حج کے بعد آدمی کے طرزِ عمل میں، اخلاق میں، اس کے رویے میں، دوسرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے طریقے میں فرق آنا چاہیے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ فلاں اللہ کے گھر کا حج کر کے آیا ہے اور اس میں یہ سبق سیکھ کر آیا ہے۔

ایسا نہ ہو کہ وہاں پر جا کر گناہ معاف کروا آئے اور آنے کے بعد عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت کے اعتبار سے گناہوں میں ملوث ہو جائے کہ جتنا کمایا، اتنا لٹایا، سارا نفع برابر۔

---

(۱) صحيح البخاري ۱۱/۱ (۱۰)۔

لطیفہ

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک ہندو بنیے کا لطیفہ سنایا کرتے تھے ہندو بنیے کو لالہ جی کہتے تھے اور وہ بڑے کنجوس مشہور تھے، پیسے پیسے پر جان دینے والے، ایک لالہ جی کے بارے میں یہ مثل مشہور تھی کہ ''لالہ جی گئے پاؤنے چار دن میں آئے'' پاؤنے ہندی میں کہتے ہیں مہمان کو، مطلب یہ کہ لالہ جی چار دن کسی کے گھر مہمان گئے، چار دن کا خرچہ بچا، اپنے گھر میں کھاتے پیتے تو خرچہ ہوتا، اس کے بجائے مہمان بننے سے چاردن کا خرچہ بچ گیا۔ ''لالہ جی کے گھر آگئے چار پاؤنے'' اب ان کے گھر میں چار مہمان آگئے ''لالہ جی نہ گئے نہ آئے۔''

تو ایسا نہ ہو کہ گناہ تو وہاں معاف کر آئے آ کر پھر اسی ڈھب پر زندگی شروع ہوگئی اور اسی ڈھب پر پہیہ چکر لگانے لگا اور نہ گئے نہ آئے۔

ان باتوں پر عمل کیسے ہوگا؟

جو دو چار سبق عرض کیے ہیں ان پر عمل کرنے کے لیے ایک بنیادی بات عرض کرتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ نے اس دین کی ایک خاصیت یہ رکھی ہے کہ اس دین کا علم اور اس پر عمل صحبت سے حاصل ہوتا ہے، صحبت جتنی صحیح ہوگی اتنا ہی دین کا علم بھی صحیح ہوگا اور عمل کرنا بھی آسان ہوگا اور اگر صحبت خدا نہ کرے خراب ہے تو اللہ بچائے دین کے علم میں بھی نقصان ہوگا اور دین پر عمل کرنے میں بھی دشواری پیدا ہوگی، چنانچہ قرآن کریم نے دو لفظوں میں یہ بات فرمائی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴿١١٩﴾ (۱)

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۱۱۹)۔

ترجمہ:اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ بتلادیا کہ سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

سچے لوگوں سے مراد یہ ہے کہ جو خود دین میں، ایمان میں اور تقویٰ میں سچے ہوں ان کی صحبت اختیار کرو۔

دیکھیے! حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد اس پوری کائنات میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل کوئی مخلوق نہیں، ایک ایک صحابی روشن ستارہ ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم"(۱)

میرے صحابہ ستارہ کی مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرلوگے ہدایت پاجاؤ گے۔

---

(۱) مذکورہ حدیث عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عمر بن الخطاب، انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ان چھ صحابہ کرام سے مروی ہے جس کی حضرات محدثین نے تضعیف کی ہے البتہ اس کا ایک طریق مرسلا آیا ہے جسے آدم بن ابی ایاس نے کتاب العلم والحلم ص ۱۸۶ رقم (۲۵۲) پر اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جو نسبتاً بہتر ہے روایت یہ ہے حدثنا ضمرة عن ابن شوذب عن مطر قال قال رسول الله ﷺ مثل أصحابي كمثل النجوم من أخذ بنجم منها اهتدى. قال ثم قال مطر. ومثل العلماء كمثل النجوم. نیز اس کی تائید صحیح مسلم ج٤ ص١٩٦١ رقم (٢٥٣١) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے عن أبي بردة عن أبيه قال: صلينا المغرب مع رسول الله ﷺ، ثم قلنا: لو جلسنا حتى نصلي معه العشاء، قال: فجلسنا فخرج علينا، فقال: ما زلتم ههنا؟ قلنا: يا رسول الله! صلينا معك المغرب ثم قلنا: نجلس حتى نصلي معك العشاء، قال: أحسنتم أو أصبتم، قال: فرفع رأسه إلى السماء وكان كثيرا مما يرفع رأسه إلى السماء فقال: النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي، فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون. از مرتب عفا اللہ عنہ۔

صحابیت کا مقام اتنا اونچا ہے کہ عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں کہ جن کے بارے میں لوگوں نے پروپیگنڈے بہت کیے اور عمر بن عبدالعزیز وہ شخصیت ہیں کہ جن کی صلاح و تقویٰ کو سب ماننے والے، تو دونوں میں افضل کون؟ عبداللہ بن المبارک نے جواب دیا کہ ارے تم کہتے ہو کہ معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ ارے معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی وہ خاک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد میں آئی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑی زبردست بات فرمایا کرتے تھے کہ جو بڑے بڑے علماء ہیں ان کے لیے بڑے القاب استعمال ہوتے ہیں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، علامہ فلاں، حافظ فلاں، کسی کو شیخ الاسلام کہا جارہا ہے، کسی کو محقق، ان القاب میں سے کوئی لقب ان صحابی کے ساتھ نہیں دیکھتے، صدیق اکبر کو کوئی امام ابوبکر نہیں کہتا، علامہ یا شیخ الاسلام نہیں کہتا، وہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے، وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ان الفاظ و القاب کے سنگھار اور میک اپ کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ جس کا چہرہ ہی خوبصورت ہو اس کو کسی سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی، تو جب کسی کو صحابی کہہ دیا کہ یہ صحابی ہیں تو سب ہی کچھ کہہ دیا، پھر وہ سب کچھ ہے اور اس کو کسی اور لقب کی ضرورت نہیں، تو صحابہ کو یہ مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ملا، آپ کی صحبت کے نتیجے میں صحابہ تیار ہوگئے اور صحابہ کی صحبت کے نتیجے میں تابعین اور تابعین کی صحبت کے نتیجہ میں تبع تابعین آگئے اور یہ سلسلہ آج تک چلا

آرہا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دین اسی صحبت کے ذریعے چلایا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اپنی صحبت کو درست کرو، یہ جو لوگ علم صحیح رکھنے والے ہیں اور متبع سنّت ہیں ان سے تعلقات بڑھاؤ، ان کے پاس آنا جانا رکھو، ان سے رابطے میں رہو، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دین کا علم بھی صحیح حاصل ہوگا اور اس پر عمل کی توفیق بھی ہوگی۔

صادقین قیامت تک رہیں گے

آج لوگ کہتے ہیں کہ کہاں جائیں؟ کس کے پاس جائیں؟ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ایک بڑے مزے کی بات فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کہتا ہوں کہ صحبت صحیح کرو، کسی اللہ والے کے پاس چلے جاؤ اور اس کے پاس بیٹھا کرو تو لوگ کہتے ہیں کہ کہاں ہیں اللہ والے ؎

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ہر جگہ دوکاندار بیٹھے ہوئے ہیں تو حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ آج ساری دنیا میں ملاوٹ کا زمانہ ہے، خاص طور سے ہمارے ملک میں گھی خالص نہیں، چینی خالص نہیں، گیہوں خالص نہیں، آٹا خالص نہیں ملتا، لیکن یہ بتاؤ کہ اس ملاوٹ کی کثرت کی وجہ سے کیا تم نے یہ چیزیں کھانا چھوڑ دیں کہ آٹا خالص نہیں ملتا، لہٰذا آٹا نہیں کھائیں گے، بھس کھائیں گے اور چونکہ گھی خالص نہیں ملتا، لہٰذا اس کے بجائے گریس استعمال کریں گے، کسی نے بھی نہیں چھوڑا۔ ہاں تلاش کر کے کہ فلاں دکان پر آٹا اور

فلاں پر بھی اچھا ملتا ہے وہ تلاش کرکر کے نکال لیا ہے اور وہاں سے لے کر آتے ہیں، والد صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اور امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ بشارت ہے کہ قیامت تک صادقین باقی رہیں گے اور جب باقی رہیں گے تو تلاش کی بات ہے لہٰذا تلاش کرو۔

اصلاح کے لیے ولی کا نامی گرامی ہونا ضروری نہیں

دوسری بات یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک اور شیطان کا دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی اچھی صحبت کے لیے کسی شیخ کی تلاش ہوتی ہے تو خود خواہ اسفل السافلین میں گرے ہوئے ہوں، جب ان کی تلاش ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ جنید بغدادی چاہیے اور شیخ عبدالقادر جیلانی چاہیے۔ اس سے نیچے کے کسی کے پاس جانے کو تیار نہیں ہوتے۔ فرماتے تھے کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسے تم ہو ویسے ہی تمہیں جس طرح کے لوگوں سے فائدہ ہوسکتا ہے وہ بھی ہیں۔ ارے بھائی! بات یہ ہے کہ دینے والا تو اللہ ہے نہ کسی شیخ کے پاس کچھ رکھا ہے اور نہ کسی استاد کے پاس نہ کسی عالم کے پاس کچھ رکھا ہے نہ کسی درویش کے پاس کچھ رکھا ہے، دینے والا تو وہ ہے، وہ چاہے تو مٹی کے ذریعے دے دے اور جب طلب صادق یعنی سچی طلب لے کر کسی کے پاس جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے واسطہ بنا دیگا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب والد صاحب سے آ کر کہنے لگے کہ کیا کروں؟ دل تو چاہتا ہے، لیکن کیا کروں؟ جس پر بھی نظر ڈالتا ہوں کوئی بھی معیار پر

پورا نہیں اترتا، لہٰذا کہیں جانے سے محروم ہوں۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میاں! یہ شیطان کے دھوکے سے نجات پاؤ تم اپنی مسجد کے مؤذن کے پاس جا کر بیٹھا کرو اس سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ وہ دن میں پانچ مرتبہ ''اشهدان لا اله الا الله'' کا کلمہ بلند کرتا ہے، اس کو اس کلمے کا نور حاصل ہے تو اس کے پاس بھی جا کر بیٹھو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ کیوں کہ دینے والا تو وہ ہے، وہ چاہے تو کسی علامہ کے ذریعے دے دے اور چاہے تو معمولی طالبِ علم کے ذریعے سے دے دے، تو جب طلبِ صادق لے کر جاؤ گے بشرطیکہ متبع سنت آدمی کے پاس جاؤ تو ان شاء اللہ اس سے فائدہ ہوگا۔

تبلیغی جماعت اور دینی حلقے بہت مفید ہیں

ہمارے ملک میں اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ الحمدللہ! اللہ کے فضل و کرم سے علماء بھی موجود ہیں، ایسے علماء بھی موجود ہیں کہ جن کو اللہ نے بزرگوں کی صحبت عطا فرمائی ہے، الحمدللہ ! جماعتیں موجود ہیں، تبلیغی جماعت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر جگہ ان کا فیض پھیل رہا ہے۔ صحبت کے صحیح کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی ان کے ساتھ جا کر شامل ہو، الحمدللہ خاص طور سے آپ کے شہر پر اللہ کا فضل ہے ہمارے بزرگوں کا فیض ہے کہ کتنے حلقے ہیں جو دین کے لیے قائم ہیں اگر وہاں جانے کا سلسلہ آدمی رکھنا چاہے تو ہفتہ میں ایک دن ہی صحیح تو ان شاء اللہ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ حج بیت اللہ کی جو دولت لے کر آپ تشریف لائے ہیں ان شاء اللہ اس کا تحفظ ہوگا اور اس کا صحیح استعمال ہوگا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے حج سے ملنے والے اسباق اور اس کے پیغامات پر مجھے اور آپ سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حج ایک عاشقانہ عبادت

(اصلاحی خطبات ۱۴/۳۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج ایک عاشقانہ عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (۱)

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

اشہرِ حج

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! رمضان المبارک گزر جانے کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ شوال کا مہینہ ان مہینوں میں شمار ہوتا ہے، جن کو اللہ جل شانہٗ نے ''اشہر الحج'' یعنی حج کے مہینے کہا ہے، کیونکہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینے قرار دیے ہیں۔

رمضان المبارک سے لے کر ذی الحجہ تک کے ایام اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادتوں کے لیے مخصوص فرمائے ہیں جو خاص انہی ایام میں انجام دی جاسکتی ہیں، چنانچہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے روزے کے لیے اور تراویح کے لیے مقرر فرمایا اور شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے حج کے لیے اور قربانی کے لیے مقرر فرمائے، حج اور قربانی ایسی عبادتیں ہیں جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں نہیں انجام دی جاسکتیں۔ گویا کہ عبادات کا ایک سلسلہ ہے جو رمضان المبارک سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر جا کر ختم ہوتا ہے، اس لیے ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا تقدس حاصل ہے۔

ماہِ شوال کی فضیلت

رمضان المبارک تو تمام مہینوں میں مبارک مہینہ ہے، شوال کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھ

لے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔[1] کیونکہ ہر نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتے ہیں، لہٰذا جب ایک شخص نے رمضان المبارک میں تیس روزے رکھے تو اس کا دس گنا تین سو ہوگیا اور چھ روزے جب شوال میں رکھے تو اس کا دس گنا ساٹھ ہوگیا، اس طرح تمام روزوں کا ثواب مل کر تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہوگیا اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے رمضان کے ساتھ شوال میں چھ روزے رکھ لیے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔ شوال کے چھ روزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ چھ روزے عید الفطر کے فوراً بعد رکھ لیے جائیں، لیکن اگر فوراً نہ رکھ سکیں تو شوال کے مہینے کے اندر اندر پورے کرلیں۔

ماہِ شوال اور امورِ خیر

اسی شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور اسی مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی[2]، لہٰذا اس ماہ میں برکتوں کے بہت سارے اسباب جمع ہیں۔

ماہِ ذیقعدہ کی فضیلت

اسی طرح ذیقعدہ کا اگلا مہینہ بھی "اشہر الحج" میں شامل ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران حج کے علاوہ چار عمرے ادا

---

(۱) صحیح مسلم ۸۲۲/۲ (۱۱٦٤)۔
(۲) صحیح مسلم ۱۰۳۹/۲ (۱٤۲۳)۔

فرمائے، یہ چاروں عمرے ذیقعدہ کے مہینے میں ادا فرمائے[1]۔ اس لحاظ سے بھی اس ماہ کو تقدس حاصل ہے۔

ماہِ ذیقعدہ منحوس نہیں

ہمارے معاشرے میں ''ذیقعدہ'' کے مہینے کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس کو ''خالی'' کا مہینہ کہا جاتا ہے یعنی یہ مہینہ ہر برکت سے خالی ہے، چنانچہ اس ماہ میں نکاح اور شادی نہیں کرتے اور کوئی خوشی کی تقریب نہیں کرتے، یہ سب فضولیات اور توہم پرستی ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بہرحال! یہ مہینے حج کے مہینے ہیں، اس لیے خیال ہوا کہ آج حج کے بارے میں تھوڑا سا بیان ہوجائے۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے

یہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کے چار ارکان ہیں، یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان چاروں ارکان پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کے جو مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں ان میں سے ہر طریقہ نرالی شان رکھتا ہے مثلاً نماز کی الگ شان ہے، روزہ کی ایک الگ شان ہے، زکوٰۃ کی الگ شان ہے، حج کی الگ شان ہے۔

عبادات کی تین اقسام

عام طور پر عبادتوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ''عبادات بدنیہ''

(۱) صحیح البخاری ۳/۳ (۱۷۷۸-۱۷۷۹)۔

جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اور بدن کے ذریعے ان کی ادائیگی ہوتی ہے، جیسے نماز بدنی عبادت ہے۔ دوسری ''عبادات مالیہ'' جس میں بدن کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جیسے زکوۃ اور قربانی۔

تیسری عبادات وہ ہیں جو بدنی بھی ہیں اور مالی بھی ہیں ان کے ادا کرنے میں انسان کے بدن کو بھی دخل ہوتا ہے اور مال کو بھی دخل ہوتا ہے، جیسے حج کی عبادت۔ حج کی عبادت بدن اور مال دونوں سے مرکب ہے اور اس حج کی عبادت میں عاشقانہ شان پائی جاتی ہے، کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ارکان رکھے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

احرام کا مطلب

جب یہ حج کی عبادت شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلے احرام باندھا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چادریں باندھنا ہی احرام ہے، حالانکہ محض ان چادروں کا نام احرام نہیں، بلکہ ''احرام'' کے معنی ہیں ''بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلینا'' جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے اوپر بہت سی چیزیں حرام ہوجاتی ہیں۔ مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا حرام، خوشبو لگانا حرام، جسم کے کسی بھی حصے کے بال کاٹنا حرام، ناخن کاٹنا حرام اور اپنی بیوی کے ساتھ جائز نفسانی خواہشات پوری کرنا حرام۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''احرام'' رکھا گیا ہے۔

اے اللہ! میں حاضر ہوں

اور جب انسان حج یا عمرے کی نیت کرکے یہ تلبیہ پڑھتا ہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں، کیوں حاضر ہوں؟ اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (۱)

اے ابراہیم! لوگوں میں یہ اعلان فرمادیں کہ وہ اس بیت اللہ کے حج کے لیے آئیں، پیدل آئیں اور سوار ہوکر آئیں، دور دراز سے اور دنیا کے چپے چپے سے یہاں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا تھا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ کی عبادت کے لیے یہاں آؤ۔ یہ اعلان آپ نے پانچ ہزار سال پہلے کیا تھا، آج جب کوئی عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا حج یا عمرے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

اے اللہ! میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں اور جس وقت بندے نے یہ کہہ دیا کہ میں حاضر ہوں، بس اسی وقت سے احرام کی پابندیاں شروع ہوگئیں، چنانچہ اب وہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا،

(۱) سورۃ الحج آیت (۲۷)۔

بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا اور اپنی جائز نفسانی خواہشات بھی پوری نہیں کر سکتا۔

اِحرام کفن یاد دلاتا ہے

گویا اللہ جل شانہ کی پکار پر ایک عاشق بندے نے اپنے پروردگار کے عشق میں دنیا کی آسائشیں اور راحتیں سب چھوڑ دیں۔ اب تک وہ سلے ہوئے کپڑے پہنا ہوا تھا، وہ سب اتار دیے، اب وہ دو چادریں پہنا ہوا ہے جو اسے اس کے کفن کی یاد دلا رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوگا تو اس وقت تیرا یہی لباس ہوگا، چاہے وہ بادشاہ ہو، چاہے سرمایہ دار ہو، چاہے فقیر ہو، سب آج دو چادریں پہنے ہوئے ہیں اور انسانی مساوات کا ایک منظر پیش کر رہے ہیں، جس شخص کو دیکھو وہ آج دو چادروں میں ملبوس نظر آ رہا ہے۔

”طواف“ ایک لذیذ عبادت

پھر وہاں بیت اللہ کے پاس پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اس ”طواف“ میں ایک عاشقانہ شان ہے، جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، اسی طرح یہ اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے گرد چکر لگا رہا ہے اور یہ چکر لگانا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اس طواف میں ایک ایک قدم پر ایک ایک گناہ معاف ہو رہا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طواف کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شاید روئے زمین پر طواف سے زیادہ لذیذ عبادت کوئی اور نہ ہو۔

اظہارِ محبت کے مختلف انداز

انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار کرے، اس کے گھر کا چکر لگائے، اس کے دروازے کو چومے اور اس سے لپٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اس تقاضے کی تکمیل کے سارے اسباب اس بیت اللہ میں جمع فرمادیے ہیں۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ اس کو گلے لگاؤں، اس کے پاس رہوں، اب اللہ تعالیٰ سے محبت تو ہے، لیکن اس کو گلے سے نہیں لگاسکتے، براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدم بوسی تو نہیں کرسکتے، اس لیے تم ایسا کرو کہ یہ میرا گھر ہے، تم اس گھر کے چکر لگاؤ اور اس کے اندر میں نے ایک حجرِ اسود رکھ دیا ہے تم اس حجر اسود کو چومو، یہ تمہارا حجر اسود کو چومنا یہ تمہارے عشق و محبت کا اظہار ہوگا اور اگر مجھ سے لپٹنے کا دل چاہتا ہے تو میرے اس گھر کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان جو دیوار ہے، جس کو ملتزم کہتے ہیں، اس دیوار سے لپٹ جاؤ اور یہاں لپٹ کر تم جو کچھ مجھ سے مانگو گے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دوں گا۔ یہ عاشقانہ شان اللہ تعالیٰ نے اس حج کی عبادت میں رکھی ہے، آدمی کو اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے بہتر موقع کہیں اور نہیں مل سکتا جیسا وہاں موقع ملتا ہے۔

دینِ اسلام میں انسانی فطرت کا خیال

ہمارے دین اسلام کی بھی عجیب شان ہے کہ ایک طرف بت پرستی کو منع کردیا اور اس کو شرک اور حرام قرار دے دیا اور یہ کہہ دیا کہ جو شخص بت پرستی کرے گا، وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ اس لیے کہ یہ بت تو بے

جان پتھر ہیں، نہ ان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہے، لیکن دوسری طرف چونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے، اس محبت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ایک نشان بنادیا اور ساتھ میں یہ بتادیا کہ بیت اللہ کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، لیکن چونکہ ہم نے اس کو اپنی طرف منسوب کرکے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ ہمارا گھر ہے اور ہم نے ہی اس کے اندر پتھر رکھ دیا ہے تاکہ تمہارے جذبات کی تسکین ہوجائے، اب نسبت کے بعد اس گھر کے چکر لگانا اور اس پتھر کو چومنا عبادت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حجرِ اسود سے خطاب

اسی وجہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور حجر اسود کے پاس جاکر اس کو بوسہ دینے لگے تو اس حجر اسود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچاسکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچاسکتا ہے، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا[1]۔ چونکہ اللہ تعالیٰ وتبارک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یہ سنّت جاری فرمادی، اس لیے اس کا چومنا اور بوسہ دینا عبادت بن گیا۔

ہرے ستونوں کے درمیان دوڑنا

طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے جارہے ہیں اور جب

(۱) صحیح البخاری ۱۴۹/۲ (۱۵۹۷)۔

سبز ستون کے پاس پہنچے تو دوڑنا شروع کردیا، جسے دیکھو دوڑا جارہا ہے، بھاگا جارہا ہے، اچھے خاصے سنجیدہ آدمی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، جن کو کبھی بھاگ کر چلنے کی عادت نہیں، مگر ہر ایک دوڑا جارہا ہے، چاہے بوڑھا ہو، جوان ہو، بچہ ہو، یہ کیا ہے؟ یہ اس لیے دوڑا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنّت قرار دیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہاں دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامِ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا کہ جو حج کرنے آئے گا وہ صفا مروہ کے درمیان چکر لگائے گا اور دوڑے گا۔

اب مسجدِ حرام کو چھوڑ دو

جب ۸/ ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو اب یہ حکم آیا کہ مسجد حرام کو چھوڑ دو اور منٰی میں جاکر پانچ نمازیں ادا کرو، حالانکہ اطمینان سے مکہ میں رہ رہے تھے اور مسجد حرام میں نمازیں ادا کررہے تھے، جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا، لیکن اب یہ حکم آ گیا کہ اب مکہ سے نکل جاؤ اور منٰی میں جاکر قیام کرو اور پانچ نمازیں وہاں ادا کرو۔ کیوں؟ اس حکم کے ذریعے یہ بتانا مقصود ہے کہ نہ مسجدِ حرام میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے اور نہ بیت اللہ میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہمارا حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں رہو، اس وقت تک مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا اور اب ہمارا حکم یہ ہے کہ یہاں سے جاؤ تو اب اس کے لیے یہاں رہنا جائز نہیں۔

اب عرفات چلے جاؤ

منیٰ کے قیام کے بعد اب ایسی جگہ تمہیں لے جائیں گے جہاں حد نگاہ تک میدان پھیلا ہوا ہے، کوئی عمارت نہیں اور کوئی سایہ نہیں، ایک دن تمہیں یہاں گزارنا ہوگا۔ یہ دن اس طرح گزارنا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کرلینا اور پھر اس کے بعد سے لے کر مغرب تک کھڑے ہوکر ہمیں پکارتے رہنا اور ہمارا ذکر کرتے رہنا، ہم سے دعائیں کرنا اور تلاوت کرنا اور مغرب تک یہاں رہنا۔

اب مزدلفہ چلے جاؤ

اور عرفات میں تو تمہیں خیمے لگانے کی اجازت تھی، اب ہم تمہیں ایسے میدان میں لے جائیں گے جہاں تم خیمہ بھی نہیں لگا سکتے، وہ ہے "مزدلفہ"۔ لہٰذا غروبِ آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہوجاؤ اور رات وہاں گزارو۔

مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھنا

عام دنوں میں تو یہ حکم ہے کہ جیسے ہی غروبِ آفتاب ہوجائے تو فوراً مغرب کی نماز ادا کرو، لیکن آج یہ حکم ہے کہ مزدلفہ جاؤ اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کرو۔ ان احکام کے ذریعے یہ بتایا جارہا ہے کہ جب تک ہم نے کہا تھا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھو، اس وقت تک جلدی پڑھنا تمہارے ذمے واجب تھا اور جب ہم نے کہا کہ تاخیر سے پڑھو تو اب تاخیر سے پڑھنا تمہارے ذمے ضروری ہے، لہٰذا کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔

کنکریاں مارنا عقل کے خلاف ہے

قدم قدم پر اللہ تعالیٰ عام قوانین کو توڑ کر بندے کو یہ بتا رہے ہیں کہ تیرا کام تو ہماری عبادت کرنا اور ہمارا حکم ماننا ہے اور کوئی چیز اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی، جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔ اب مزدلفہ سے پھر واپس منیٰ آؤ اور تین دن یہاں گزارو، اب یہاں تین دن کیوں گزاریں؟ یہاں کیا کام ہے؟ یہاں تمہارا کام یہ ہے کہ یہاں منیٰ میں تین ستون ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے، ہر آدمی روزانہ تین دن تک ان کو سات سات کنکریاں مارے۔ ذرا اس عمل کو عقل وخرد کے ترازو میں تول کر دیکھو تو یہ عمل فضول اور بے کار نظر آئے گا۔ گزشتہ سال پچیس لاکھ مسلمانوں نے حج کیا اور یہ پچیس لاکھ انسان تین دن تک منیٰ میں پڑے ہوئے ہیں جن پر کروڑوں اور اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور ان میں ہر ایک کو یہ دھن ہے کہ میں ان جمرات کو سات سات کنکریاں ماروں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، معقول آدمی ہیں، مگر جس کو دیکھو وہ کنکریاں ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور پھر ان جمرات کو مار کر خوش ہو رہا ہے کہ میں نے یہ عمل پورا کرلیا۔

ہمارا حکم سب پر مقدم ہے

کیا یہ کنکریاں مارنے کا عمل ایسا ہے جس پر اربوں روپیہ خرچ کیا جائے؟ بات یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی کام میں عقل وخرد کی بات نہیں، جب ہمارا حکم آجائے تو وہی کام جس کو تم دیوانگی سمجھ رہے تھے، وہی عقل کا کام بن جاتا ہے، جب ہمارا حکم آگیا کہ ان پتھروں کو مارو تو

تمہارا کام یہ ہے کہ مارو، اسی میں تمہارے لیے اجر وثواب ہے، اسی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند کررہے ہیں، لہٰذا ہم نے اپنے دلوں میں عقل وخرد کے جو بت تعمیر کیے ہوئے ہیں، اس حج کی عبادت کے ذریعے قدم قدم پر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو توڑ رہے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی چیز قابل تعمیل ہے تو وہ ہمارا حکم ہے، جب ہمارا حکم آجائے تو وہ حکم عقل میں آئے تو، عقل میں نہ آئے تو تمہیں اس حکم کے آگے سر جھکانا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ پورے حج کے اندر یہی تربیت دی جارہی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص حج مبرور کرکے آتا ہے تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے جیسے آج وہ اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کا یہ مقام رکھا ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

یہ حج کس پر فرض ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا[2]

یعنی اللہ کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں اور یہ ہر

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۲۳ (۱۵۲۱)۔
(۲) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔

اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت اور صلاحیت رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ سواری کا انتظام کر سکے۔ فقہاءِ کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے ذریعے وہ حج پر جاسکے اور وہاں حج کے دوران اپنے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کر سکے اور اپنے پیچھے جو اہل و عیال ہیں واپس آنے تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کر سکے، ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

لیکن آج کل لوگوں نے حج کے لیے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر رکھی ہیں جن کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں۔ ان کے بارے میں آئندہ جمعہ ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کروں گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حج میں تاخیر کیوں؟

(اصلاحی خطبات ۱۴/۶۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج میں تاخیر کیوں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا[1]

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

حج فرض ہونے پر فوراً ادا کریں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعے کو اسی آیت پر بیان کیا تھا، اس آیت میں اللہ جل شانہ نے حج کی فرضیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر واجب ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ حج کرے۔ یہ حج ارکانِ اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور صاحب استطاعت پر اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے اور جب یہ حج فرض ہوجائے تو اب حکم یہ ہے کہ اس فریضے کو جلد از جلد ادا کیا جائے، بلا وجہ اس حج کو مؤخر کرنا درست نہیں، کیونکہ انسان کی موت اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اگر حج فرض ہونے کے بعد اور ادائیگی سے پہلے انسان دنیا سے چلا جائے تو یہ بہت بڑا فریضہ اس کے ذمے باقی رہ جاتا ہے، اس لیے حج فرض ہوجانے کے بعد جلد از جلد اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔

ہم نے مختلف شرائط عائد کرلی ہیں

لیکن آج کل ہم لوگوں نے حج کرنے کے لیے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کرلی ہیں، بہت سی ایسی پابندیاں عائد کرلی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کے دنیوی مقاصد پورے نہ ہوجائیں۔ مثلاً جب تک مکان نہ بن جائے یا جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ

ہوجائیں اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے، بلکہ جب انسان کے پاس اتنا مال ہوجائے کہ اس کے ذریعے حج ادا کرسکے یا اس کی ملکیت میں سونا اور زیور ہے اور وہ اتنا ہے کہ اگر اس کو وہ فروخت کردے تو اس کی رقم اتنی وصول ہوجائے گی جس کے ذریعے حج ادا ہوجائے، تب بھی حج فرض ہوجائے گا، لہٰذا حج فرض ہوجانے کے بعد اس کو کسی چیز کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حج مال میں برکت کا ذریعہ

لہٰذا یہ سوچنا کہ ہمارے ذمے بہت سارے کام ہیں، ہمیں مکان بنوانا ہے، ہمیں اپنی بیٹیوں یا بیٹوں کی شادی کرنی ہے، اگر یہ رقم ہم حج میں صرف کردیں گے تو ان کاموں کے لیے رقم کہاں سے آئے گی؟ یہ سب فضول خیالات اور فضول سوچ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حج کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حج ادا کرنے کے نتیجے میں آج تک کوئی شخص مفلس نہیں ہوا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (۱)

یعنی ہم نے حج فرض کیا ہے تاکہ اپنی آنکھوں سے وہ فائدے دیکھیں جو ہم نے ان کے لیے حج کے اندر رکھے ہیں۔ حج کے بے شمار فائدے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرمادیتے ہیں۔

(۱) سورة الحج آیت (۲۸)۔

آج تک حج کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا

حج بیت اللہ کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے۔ آج تک کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے پیسے حج پر خرچ کردیے تھے اس وجہ سے یہ مفلس اور فقیر ہوگیا۔ البتہ ایسے بے شمار لوگ آپ کو ملیں گے کہ حج کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں برکت عطا فرمائی اور وسعت اور خوشحالی عطا فرمائی، لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک دنیا کے فلاں فلاں کام سے فارغ نہ ہوجائیں، اس وقت تک حج نہیں کریں گے۔

مدینے کے سفر کا خرچہ حج کی فرضیت کے لیے ضروری نہیں

چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے اور فرض و واجب بھی نہیں ہے، اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جاکر حج کرلے اور مدینہ منورہ نہ جائے تو اس کے حج میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری عظیم سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو عطا فرمائے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، لہٰذا چوں کہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے، اس لیے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ جاکر حج تو ادا کرسکتا ہے، لیکن مدینہ منورہ جانے کے پیسے نہیں ہیں، تب بھی اس کے ذمے حج فرض ہے، اس کو چاہیے کہ حج کرکے مکہ مکرمہ ہی سے واپس آجائے، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی حاضری ایسی نعمت

ہے کہ انسان ساری عمر اس کی تمنا کرتا رہتا ہے، لہٰذا یہ خیال کہ اس حج کو فلاں کام ہونے تک مؤخر کردیا جائے، یہ خیال درست نہیں۔

والدین کو پہلے حج کرانا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم والدین کو حج نہیں کرادیں گے اس وقت تک ہمارا حج کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ خیال اتنا عام ہوگیا ہے کہ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں، لیکن میرے والدین نے حج نہیں کیا، لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ اگر والدین کے حج سے پہلے تم حج کرلوگے تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا۔ یہ محض جہالت کی بات ہے، ہر انسان پر اس کا فریضہ الگ ہے۔ جیسے والدین نے اگر نماز نہیں پڑھی تو بیٹے سے نماز ساقط نہیں ہوتی، بیٹے سے اس کی نماز کے بارے میں الگ سوال ہوگا اور ماں باپ سے ان کی نمازوں کے بارے میں الگ سوال ہوگا۔ یہی معاملہ حج کا ہے، اگر ماں باپ پر حج فرض نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں، اگر وہ حج پر نہیں گئے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے تو آپ کے لیے حج پر جانا ضروری ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلے والدین کو حج کرائے اور پھر خود کرے، یہ سب خیالات غلط ہیں۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کا مکلف ہے، اس کو اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔

حج نہ کرنے پر شدید وعید

ہم میں سے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ذاتی ضروریات اور ذاتی کاموں کی خاطر لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، یورپ کا سفر کرتے ہیں، امریکہ،

فرانس اور جاپان کا سفر کرتے ہیں، لیکن اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر حاضری دے دیں، یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے، چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ

> جس شخص پر حج فرض ہوگیا ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مرجائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے (۱)۔

لہٰذا یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ انسان اس حج کے فریضے کو ٹلاتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ جب فرصت اور موقع ہوگا تو حج کرلیں گے۔

بیٹیوں کی شادی کے عذر سے حج مؤخر کرنا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادیاں کرنی ہیں، جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہوجائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا، لہٰذا پہلے بیٹیوں کی شادی کریں گے پھر حج کریں گے۔ یہ بھی بے کار بات ہے، یہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ جب بیٹی کی شادی ہوجائے گی تو اس کے بعد نماز پڑھوں گا۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے وہ فریضہ ادا کرنا ہے، وہ کسی اور بات پر موقوف نہیں۔

---

(۱) سنن الدارمی ۱۱۲۲/۲ (۱۸۲۶) ومعجم ابی یعلی ص ۱۹۶ (۲۳۱)۔وقال الزيلعي في "نصب الراية"(٤١١/٤) قال الشيخ في "الإمام": وليث هذا هو ابن أبي سليم، وهو ضعيف، قد روى هذا الحديث عن علي وأبي هريرة وحديث أبي أمامة علي ما فيه أصلحها. وسنن البیهقی الکبری ٥٤٦/٤ (٨٦٦٠) وقال: وهذا وإن كان إسناده غير قوي فله شاهد من قول عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

حج سے پہلے قرض ادا کریں

البتہ حج ایک چیز پر موقوف ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہے تو قرض کو ادا کرنا حج پر مقدم ہے۔ قرض کو ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے کہ انسان کے اوپر قرض نہیں رہنا چاہیے، جلد از جلد قرض کو ادا کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سے کام حج پر مقدم کر رکھے ہیں، مثلاً پہلے میں اپنا مکان بنالوں یا پہلے مکان خریدلوں یا پہلے گاڑی خریدلوں، پھر جاکر حج کرلوں گا، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

حج کے لیے بڑھاپے کا انتظار کرنا

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جب بڑھاپا آجائے گا تو اس وقت حج کریں گے، جوانی میں حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حج کرنا تو بوڑھوں کا کام ہے، جب بوڑھے ہوجائیں گے اور مرنے کا وقت قریب آئے گا تو اس وقت حج کرلیں گے۔ یاد رکھیے! یہ شیطانی دھوکہ ہے، ہر وہ شخص جو بالغ ہوجائے اور اس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ حج ادا کرسکے تو اس پر حج فرض ہوگیا اور جب حج فرض ہوگیا تو اب جلد از جلد اس فریضے کو انجام دینا واجب ہے، بلاوجہ تاخیر کرنا جائز نہیں۔ کیا پتہ کہ بڑھاپے تک وہ زندگی بھی رہے گی یا نہیں؟ بلکہ درحقیقت حج تو جوانی کی عبادت ہے، جوانی میں آدمی کے قویٰ مضبوط ہوتے ہیں، وہ تندرست ہوتا ہے، اس وقت وہ حج کی مشقت کو آسانی کے ساتھ برداشت کرسکتا ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ بڑھاپے میں حج کریں گے، یہ بات درست نہیں۔

حج فرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کردیں

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کردوں کہ اگر بالفرض کوئی شخص حج فرض ہوجانے کے باوجود اپنی زندگی میں حج ادا نہ کرسکا تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ اگر میں زندگی میں حج فرض ادا نہ کرسکوں تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکے سے کسی کو میری طرف سے حج بدل کے لیے بھیجا جائے۔ کیوں کہ اگر آپ یہ وصیت کردیں گے تب تو آپ کے وارثین پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں ورنہ نہیں۔

حج صرف ایک تہائی مال سے ادا کیا جائے گا

اور وارثین پر بھی آپ کی طرف سے حج بدل کرانا اس وقت لازم ہوگا جب حج کا پورا خرچہ آپ کے پورے ترکے کے ایک تہائی کے اندر آتا ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا ترکہ تین لاکھ روپے بنتا ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس صورت میں یہ وصیت نافذ ہوگی اور ورثاء پر لازم ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں، لیکن اگر حج کا خرچہ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا پورا ترکہ تین لاکھ سے کم ہے تو اس صورت میں ورثاء پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل ضرور کرائیں، کیوں کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہ مال جو ہمارے پاس موجود ہے، اس مال پر ہمارا اختیار اس وقت تک ہے جب تک ہم پر مرض الموت طاری نہیں ہوجاتا، ہم اس مال کو جس طرح چاہیں استعمال کریں، لیکن جیسے ہی مرض الموت شروع ہوجاتا ہے، اس وقت اس مال پر سے ہمارا اختیار ختم ہوجاتا ہے اور یہ مال وارثوں کا

ہوجاتا ہے، البتہ اس وقت صرف ایک تہائی مال کی حد تک ہمارا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

تمام عبادات کا فدیہ ایک تہائی سے ادا ہوگا

لہٰذا اگر ہمارے ذمے نمازیں رہ گئی ہیں تو ان نمازوں کا فدیہ اس ایک تہائی سے ادا ہوگا، اگر روزے چھوٹ گئے ہیں تو ان روزوں کا فدیہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا، اگر زکوٰۃ باقی رہ گئی ہے تو اس کی ادائیگی بھی اسی ایک تہائی سے ہوگی، اگر حج رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا اور ایک تہائی سے باہر کی وصیت وارثوں کے ذمے لازم نہیں ہوگی۔ اس لیے زندگی میں حج ادا نہ کرنا بڑا خطرناک ہے، کیوں کہ اگر ہم وصیت بھی کرجائیں کہ ہمارے مال سے حج ادا کردیا جائے، لیکن ترکہ اتنا نہ ہو جس کے ایک تہائی سے حج ادا ہوسکے تو ان کے ذمے اس وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا، اگر حج کرادیں تو یہ ان کا ہم پر احسان ہوگا اور اگر حج نہ کرائیں تو ان پر آخرت میں کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

حجِ بدل مرنے والے کے شہر سے ہوگا

بعض لوگ حجِ بدل کراتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم یہاں کراچی سے حجِ بدل کرائیں گے تو ایک لاکھ کا خرچ ہوگا اس لیے ہم مکہ مکرمہ میں ہی کسی کو پیسے دے دیں گے، وہ وہیں سے حج ادا کرلے گا۔ یاد رکھیے! اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر اس طرح حجِ بدل ادا نہیں ہوتا۔ اگر میں کراچی میں رہتا ہوں اور میرے ذمے حج فرض ہے تو اگر میں کسی کو اپنی طرف

سے حجِ بدل کے لیے بھیجوں تو وہ بھی کراچی سے جانا چاہیے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مکہ مکرمہ سے کسی کو پکڑ کر دو سو روپے میں حج کرالیا، چونکہ میں کراچی میں رہتا ہوں، اس لیے میرے وطن سے ہی حج بدل ہوگا، مکہ مکرمہ سے نہیں ہوگا۔

عذرِ معقول کی وجہ سے مکہ سے حج کرانا

یہ اور بات ہے کہ ایک آدمی دنیا سے چلا گیا اور اس نے ترکہ بالکل نہیں چھوڑا، اب اس کے ورثاء نے سوچا کہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ہوجائے کہ کسی کو مکہ مکرمہ ہی سے بھیج کر اس کی طرف سے حج کرادیں تو قانون کے اعتبار سے وہ حج بدل نہیں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول کرلیں تو یہ ان کا کرم ہے اور نہ ہونے سے یہ صورت بہر حال بہتر ہے، لیکن اصول اور قانون وہی ہے کہ جس شخص کے ذمے حج واجب ہے، حج بدل والے کو اسی شخص کے شہر سے جانا چاہیے۔

قانونی پابندی عذر ہے

آج کل یہ حال ہے کہ حج کرنا اپنے اختیار میں نہیں رہا، کیوں کہ حج کرنے پر بہت ساری قانونی اور سرکاری پابندیاں عائد ہیں۔ مثلاً پہلے درخواست دو پھر قرعہ اندازی میں نام آئے وغیرہ، لہٰذا جب کسی شخص پر حج فرض ہوگیا اور اس نے حج پر جانے کی قانونی کوشش کرلی اور پھر بھی نہ جاسکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے، لیکن اپنی طرف سے کوشش کرے اور حج پر جانے کے جتنے قانونی ذرائع ہوسکتے ہیں ان کو اختیار کرے، لیکن آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جانے کی فکر ہی نہ کرے تو یہ گناہ کی بات ہے۔

حج کی لذت حج ادا کرنے سے معلوم ہوگی

جب آپ ایک مرتبہ حج کرکے آئیں گے تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس عبادت میں کیا چاشنی ہے؟ کیسی لذت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عجیب ہی کیف رکھا ہے۔ حج کے اندر سارے کام عقل کے خلاف ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عشق کی جو شان رکھی ہے، اس کی وجہ سے اس عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت، اس کے ساتھ عشق انسان کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے اور جب وہ حج سے واپس آتا ہے تو ایسا ہوجاتا ہے جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حج نفل کے لیے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں

اور جب آدمی ایک مرتبہ حج کرکے واپس آتا ہے تو اس کی پیاس اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر بار بار جانے کو دل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار جانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی، فرض تو زندگی میں ایک مرتبہ کیا ہے، لیکن دوبارہ جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، جب بھی موقع ہو، آدمی نفلی حج پر جاسکتا ہے۔ مگر اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ نفلی عبادتوں کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیوں کہ نفلی عبادت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں اور دوسری طرف گناہ سے بچنا واجب تھا۔ مثلاً جب حج کی درخواست دی جاتی ہے تو اس میں یہ لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، اب آپ نے نفلی حج کے لیے یہ لکھ کر دے دیا کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، یہ آپ نے جھوٹ بولنے کا گناہ کرلیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے، جھوٹ سے بچنا فرض ہے۔ گویا کہ آپ نے نفلی عبادت کے لیے جھوٹ کا

ارتکاب کرلیا اور شریعت میں نفلی عبادت کے لیے جھوٹ کے ارتکاب کی کوئی گنجائش نہیں ایسا جھوٹ بولنا ناجائز اور حرام ہے۔

حج کے لیے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں

اسی طرح اگر اسپانسر شپ کے تحت حج کی درخواست دینی ہو تو اس کے لیے باہر سے ڈرافٹ منگوایا جاتا ہے، بعض لوگ یہاں سے خرید لیتے ہیں جس کے نتیجے میں سودی معاملہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اب حج نفل کے لیے سودی معاملہ کر کے جانا شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حج نفل کے بجائے قرض ادا کریں

اسی طرح ایک شخص کے ذمے دوسروں کا قرض ہے تو قرض کی ادائیگی انسان پر مقدم ہے، اب وہ شخص قرض تو ادا نہیں کر رہا ہے، لیکن ہر سال حج پر جا رہا ہے، گویا کہ فرض کام کو چھوڑ کر نفل کام کی طرف جا رہا ہے، یہ حرام اور ناجائز ہے۔

حج نفل کے بجائے نان ونفقہ ادا کریں

اسی طرح ایک شخص خود تو نفلی حج اور نفلی عمرے کر رہا ہے جبکہ گھر والوں کو اور جن کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے ان کو نفقے کی تنگی ہو رہی ہے، یہ سب کام ناجائز ہیں یہ افراط ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ فلاں کام میں اس وقت خرچ کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں نفلی حج اور نفلی عمرے کے مقابلے میں اس کام پر خرچ کرنا زیادہ باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا حجِ نفل چھوڑنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین اور فقہاء میں سے ہیں اور صوفی بزرگ ہیں۔ یہ ہر سال حج کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے قافلے کے ساتھ حج پر جارہے تھے تو راستے میں ایک بستی کے پاس سے گزر ہوا، بستی کے قریب کوڑے کا ڈھیر تھا، ایک بچی بستی سے نکل کر آئی اور اس کوڑے میں ایک مردار مرغی پڑی ہوئی تھی، اس بچی نے اس مردار مرغی کو اٹھایا اور جلدی سے اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ بچی ایک مردار مرغی کو اٹھا کر لے جارہی ہے۔ چنانچہ آپ نے آدمی بھیج کر اس بچی کو بلوایا کہ تم اس مردار مرغی کو کیوں اٹھا کر لے گئی ہو؟ اس بچی نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے گھر میں کئی روز سے فاقہ ہے اور ہمارے پاس اپنی جان بچانے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اس مردار مرغی کو کھالیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم حج کا یہ سفر ملتوی کرتے ہیں اور تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہم حج پر نہیں جائیں گے جو پیسہ ہم حج پر خرچ کرتے وہ پیسہ ہم اس بستی کے لوگوں پر خرچ کریں گے، تاکہ ان کی بھوک، پیاس اور ان کی فاقہ کشی کا سدِ باب ہوسکے (۱)۔

تمام عبادات میں اعتدال اختیار کریں

لہٰذا یہ نہیں کہ ہمیں حج کرنے اور عمرہ کرنے کا شوق ہوگیا ہے، اب ہمیں

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۶۱۱/۱۳ طبع دار ہجر۔

اپنا یہ شوق پورا کرنا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں شریعت کے دوسرے تقاضے نظر انداز ہوجائیں۔ بلکہ شریعت نام ہے توازن کا، کہ جس وقت میں اور جس جگہ میں جو ہم سے مطالبہ ہے، اس مطالبے کو پورا کریں اور یہ دیکھیں کہ اس وقت میرے مال کا زیادہ صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے جس کی اس وقت میں زیادہ ضرورت ہے؟ نفلی عبادتوں میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ کو حج کے انوار و برکات عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس کو قبول فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قربانی، حج اور عشرہ ذی الحجہ

(اصلاحی خطبات ۲/۱۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی، حج اور عشرہ ذی الحجہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵ (۱)

(۱) سورۃ الفجر آیت (۱تا۵)۔

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔

یہ مقام ایک مینارۂ نور تھا

آج ایک عرصۂ دراز کے بعد ایک اجتماع کی صورت میں یہاں (حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ کے مکان پر) حاضری کی سعادت مل رہی ہے۔ یہاں بیٹھتے ہوئے کچھ لب کشائی، ایک صبر آزما جسارت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مقام پر ہم سب لوگ ایک مستفیض اور سامع کی حیثیت سے آیا کرتے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مقام کو ہمارے لیے ایک مینارۂ نور بنایا تھا۔ جہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے دین کے حقائق و معارف حضرتِ والا قدس اللہ سرہٗ کے زبانی سننے اور سمجھنے کا موقع ملتا تھا۔ اس مقام پر جہاں ایک سامع اور مستفیض کی حیثیت سے میری حاضری ہوتی تھی وہاں کسی واعظ اور مقرر کی حیثیت سے لب کشائی صبر آزما معلوم ہوتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ ہی کا فیض ہے اور جو بات دل میں آئے یا زبان پر آئے یہ سب ان کی عنایت، شفقت کا نتیجہ ہے اور ان کا بے پایاں کرم تھا کہ ہم جیسے لوگوں کو ہماری طلب کے انتظار اور استحقاق کے بغیر بار بار وہ باتیں سنا گئے اور کان میں ڈال گئے اور دل میں بٹھا گئے جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک محفوظ رہیں گی۔ اس لیے اپنے برادرِ مکرم جناب محترم بھائی حسن عباس صاحب دامت برکاتہم کے حکم کی تعمیل میں یہ صبر آزما فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض میں برکت عطا فرمائے۔آمین۔ وہ ہمیشہ یہاں آکر مہینے کے پہلے جمعے میں بیان فرماتے تھے۔ وہ ماشاء اللہ اس کے اہل بھی ہیں۔ بھائی حسن عباس صاحب نے فرمایا کہ ان کے حج پر جانے کی صورت میں آج تم کچھ باتیں بیان کردو۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں یہ گزارشات پیش کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص کے ساتھ بیان کرنے اور اخلاص کے ساتھ سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبادات میں ترتیب

ذی الحجہ کے یہ دس دن جو یکم ذی الحجہ سے ۱۰ ذی الحجہ تک ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہورہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے۔ کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرمادیے اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہوگئی، اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ (۱)۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ میں ہی ادا ہوتے ہیں، لیکن حج کے لیے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہوجاتا

(۱) المستدرك للحاكم ۳۰۳/۲ (۳۰۹۲) من حديث عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص". والمعجم الاوسط ۱۶۳/۲ (۱۵۸٤) من حديث ابی امامة رضي الله عنه.

ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے تو اس کے لیے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے۔ اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لیے کافی وقت لگتا تھا اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے میں لگ جاتے تھے، اس لیے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاریاں شروع کر دیتے تھے۔ گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پاجاتی ہے۔ اس لیے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو ''وقوفِ عرفہ'' ہے (جو ان شاء اللہ آج ہو رہا ہوگا) ۹ ذی الحج کو انجام پاجاتا ہے۔

''قربانی'' شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں، اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ضروری کر دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں۔ جس کا نام ''قربانی'' ہے، لہٰذا ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عیدالفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے، لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ عیدالفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور ''قربانی'' کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

چونکہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور عشرہ ذی الحجہ کا آغاز ہے اس لیے خیال ہوا کہ کچھ باتیں اس عشرہ ذی الحجہ کے متعلق عرض کر دی جائیں۔ یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہاء ہوگی یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور پارہ عم میں یہ جو سورۂ فجر کی ابتدائی آیات ہیں ''وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ'' اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن کسی چیز پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ الفجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں''۔ [1]

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۲۰ (۹۶۹)۔

خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ

''اگر کوئی شخص ان ایام میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔'' (یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کردیا جاتا ہے) اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی اس عشرہ ذی الحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے)[1]۔

ان ایام میں دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں۔ ان کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا ہے۔ مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی ۔دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کرسکتا ہے۔ مثلاً نماز

(۱) سنن الترمذی ۲/۱۲۲(۷۵۸) وقال: ھذا حدیث غریب لا نعرفه إلا من حدیث مسعود بن واصل عن النھاس. وسنن ابن ماجه ۳/۲۱۱(۱۷۲۸)۔

پانچ وقت کی فرض ہے، لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے، لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں۔ زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردے، لیکن دوسری عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جاکر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منیٰ میں کھڑے ہیں، لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جاکر ان کو کنکریاں ماردے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرمادیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان ایام میں انجام دو گے تو عبادت ہوگی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرمادیے ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کرکے اس کا گوشت صدقہ کرسکتا ہے، لیکن یہ قربانی ان تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پاسکتی، لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علمائے کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام

عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں۔ ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کردیے گئے ہیں۔ ان کا بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہوجاتا ہے، وہ ایک عجیب وغریب حکم ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لیے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کرلے[1]۔

ان کے ساتھ تھوڑی سے شباہت اختیار کرلو

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کردیا گیا ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمدللہ اس وقت اس عبادت سے بہرہ اندوز ہورہی ہے۔ اس وقت وہاں یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، ہر لمحے ہزاروں

(۱) صحیح مسلم ۱۵۶۵/۳ (۱۹۷۷)۔

افراد اطرافِ عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ ان حضرات کے لیے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی، یعنی احرام پہن کر جائیں اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ خوشبو نہیں لگا سکتے۔ منہ نہیں ڈھانپ سکتے۔ وغیرہ۔ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لیے یہ فرما دیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کر لو۔ تھوڑی سی ان کی شباہت اپنے اندر پیدا کر لو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو، یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کر دی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

اور ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کر لو۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے۔ اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جس وقت عرفات

کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسادے، تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت تبدیل فرمادے اور اس کی رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی، ان شاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بنا پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لیے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرمادیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں۔ البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی ضرورت ہے۔ بس تھوڑی سی فکر اور توجہ کرلو کہ میں تھوڑی سی شباہت پیدا کررہا ہوں اور اپنی صورت تھوڑی سی اس جیسی بنارہا ہوں۔ تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرمادیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یومِ عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کرسکتا ہے وہ ضرور کرے اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لیے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوفِ عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لیے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا[1]۔

صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہٗ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہوگئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوگئے۔ اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کرہی دیے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرمادیے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لیے چھٹی ہوگئی، جو چاہیں کریں سب گناہ معاف ہیں۔ خوب سمجھ

(۱) سنن الترمذی ۱۱۵/۲ (۷۴۹) وقال حدیث حسن۔ وسنن ابن ماجہ ۲۱۲/۳ (۱۷۳۰)۔

لیجیے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں۔ مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، نماز پڑھنے کے لیے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھیے! اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہِ صغیرہ ہوتے ہیں اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے، اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے، لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرلے گا، معاف نہیں ہوں گے اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے۔ کسی کا حق مار لیا ہے کسی کی حق تلفی کرلی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحبِ حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے، لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیرِ تشریق

ان ایام میں تیسرا عمل تکبیرِ تشریق ہے۔ جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہوکر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے

بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ وہ تکبیر یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

مردوں کے لیے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلافِ سنّت ہے(۱)۔

گنگا اُلٹی بہنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی اُلٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ مثلاً دعا کرنا ہے قرآنِ کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ

اُدعوا رَبَّکم تضرُّعاً وَّ خُفْیَۃً(۲)

یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو۔

چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے۔ (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنّت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے۔ اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۱۷۸/۲۔ طبع دار الفکر۔
(۲) سورۃ الاعراف آیت (۵۵)۔

طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کرلیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیر تشریق۔ جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہیے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی اور آہستہ سے پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔

شوکتِ اسلام کا مظاہرہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اسی لیے گئی کہ اس سے شوکتِ اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اُٹھے، لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے جارہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں۔ البتہ عیدالفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہیے۔

تکبیرِ تشریق خواتین پر بھی واجب ہے

یہ تکبیر تشریق خواتین کے لیے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں، لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ اگرچہ

خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں[1]۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں، بلکہ صرف مستحب ہے۔ مردوں پر واجب ہے، لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یومِ عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں، البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہیے، لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہیے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہیے اور چونکہ خواتین کو بھی کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا، اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں۔ تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آجائے اور سلام کے بعد کہہ لیں۔

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایامِ ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا، صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جاسکتا ہے ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہے کتنے ہی جانور ذبح کرلے، لیکن قربانی نہیں ہوسکتی۔

دین کی حقیقت......حکم کی اتباع

لہٰذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۱۷۹/۲۔

بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے نہ کسی عمل میں، نہ کسی وقت میں، ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے، اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو، تو وہ اجر وثواب کا کام بن جائے گا اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔ ''میدانِ عرفہ'' کو لے لیجیے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے بقیہ دن وہاں گزاردیں، ذرّہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدانِ عرفات ہے۔ وہی جبلِ رحمت ہے، اس واسطے کہ ہم نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لیے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ ۹ ذی الحجہ کو آؤ، تو اب ۹ ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہوگی اور ہماری طرف سے اجر وثواب کے مستحق ہوگے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدانِ عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے، لیکن جب ہم کہہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہوجاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں بھی فضیلت پیدا ہوجاتی ہے۔

اب مسجدِ حرام سے کوچ کرجائیں

آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد الحرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے اور حج کے لیے جانے والے حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں [1]، لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ۵۲۱/۲ (۱٤۰٦) وأورده البوصيري في "المصباح" ۱۳/٤ وقال: هذا إسناد صحيح رجاله ثقات، إسماعيل بن أسد وثقه البزار، والدارقطني، والذهبي في "الكاشف"، وقال أبو حاتم: صدوق، وباقي رجال الإسناد محتج بهم في الصحيحين.

طرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑ دو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا اس کو ترک کرو اور اب منیٰ میں جاکر پڑاؤ ڈالو، چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا اور ذرا یہ دیکھیے کہ اس وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں، نہ اس میں جمرات کی رمی ہے اور نہ اس میں وقوف ہے اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو، اس حکم کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جاکر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجدِ حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منیٰ میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے۔ چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لو تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کجا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اور حج کے مناسک میں کمی کردی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے کہ ان بُتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسا لیتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا، جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر و ثواب ہے اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو کہ اس وقت نہ کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھیے کہ ایک پتھر منیٰ میں کھڑا ہے اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں، کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جارہے ہیں، اس پتھر نے کیا قصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو، اس کے بعد اس میں حکمت، مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے، بس اب اس پر عمل ہی میں اجر وثواب ہے۔ اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بُت بسا رکھے ہیں ان کو توڑو اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

یہی چیز قربانی میں ہے، قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے۔ اس لیے کہ قربانی کے معنی ''اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز'' اور یہ لفظ ''قربانی'' ''قربان'' سے نکلا ہے اور لفظ ''قربان''، ''قرب'' سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چون و

چرا کرنے کا موقع ہے، ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آ گیا کہ بیٹے کو ذبح کردو اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعے سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعے حکم نازل فرمادیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خواب میں آپ کو یہ دکھایا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لیے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا اور جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو تو باپ نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جارہا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظامِ زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کی کسی میزان پر اس حکم کو اُتار کر دیکھے تو کسی میزان پر یہ پورا اُترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی البتہ بیٹے سے امتحان اور آزمائش کرنے کے لیے سوال کیا کہ

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط (۱)

اے بیٹے! میں نے تو خواب میں یہ دیکھا کہ تمہیں ذبح کررہا ہوں اور اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان کی رائے اس لیے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہوگی تو ذبح نہیں کروں گا۔ بلکہ ان کی رائے اس لیے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جن کے صلب سے سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارا جارہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۲)

ابا جان آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریے اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ و بکا نہیں کروں گا۔ میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا۔ آپ کر گزریے۔

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱۰۲)۔
(۲) سورۃ الصافات آیت (۱۰۲)۔

چلتی چھری رُک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولوالعزم اور بیٹا بھی اولوالعزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹادیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اباجان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں۔ اس لیے اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آجائے اور آپ چھری نہ چلاسکیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ [1]

قرآنِ کریم نے بڑا عجیب وغریب لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا فَلَمَّآ اَسۡلَمَا یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے۔ اس لیے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آجائے اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں اور وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ سے جان و مال اور عزت و آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکادے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لیے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا اور قرآنِ کریم نے لٹانے کے

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱۰۳)۔

اس وصف کو خاص زور دے کر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لیے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کہیں چلتی چھری رُک نہ جائے اس لیے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: ابا جان! آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں ایک کام یہ کر لیجیے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجیے اس لیے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا اور تڑپنے کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہوجائیں اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت ملال ہوگا۔ اس لیے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں (۱)۔

قدرت کا تماشہ دیکھیے

پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے حصے کا کام پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کرلیا۔ تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (۲)

اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہماری قدرت کا

(۱) مستدرك حاكم ۲/٤٦٨ (۳٦۱۲) وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في "التلخيص"۔
(۲) سورۃ الصافات آیت (۱۰٤-۱۰۵)۔

تماشہ دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور وہاں ایک دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو درحقیقت قربانی کے عمل کی بنیاد ہے۔ روزِ اوّل سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اس لیے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین درحقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں۔ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے۔

حضرات ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اس کا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لیے اس کو جاری کر دیا۔ فرمایا کہ

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (۱)

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱۰۸)۔

یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اُتارنے کا پابند کردیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جا رہے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اُتارنی ہے اور نقل کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم کے آگے انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا، انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خواہ مخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ کتنے جانور کم ہوجاتے ہیں اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہٰذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کرکے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔ یہ پروپیگنڈا اتنی کثرت سے کیا جارہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا جو یہ باتیں کہتا تھا، لیکن اب یہ حالت ہوگئی کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور ایک محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں اور اس کے بجائے غریب کی مدد کردوں۔ تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں، وہ اپنی جگہ فرض و واجب ہیں اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے اور معاشی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ ارے بھائی! قربانی تو مشروع ہی اس لیے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو یا نہ آرہا ہو، پھر بھی یہ کام کرو، اس لیے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں، اس پر عمل کرکے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے۔ یاد رکھو، جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہوجاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بدعنوانیاں جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں، لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھادیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کرو گے تو کوئی عبادت نہیں

کیوں؟ یہ بتانے کے لیے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا، بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہوجائے۔ دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آگیا وہ مانو اور اس پر عمل کرو اور جہاں حکم نہیں آیا اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق

بدعت اور سنّت کے درمیان بھی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنّت باعثِ اجر وثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ہم نے تیجہ کرلیا، دسواں کرلیا، چالیسواں کرلیا تو ہم نے کون سا گناہ کا کام کرلیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے انہوں نے قرآنِ شریف پڑھا اور قرآنِ شریف پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی ہوسکتی ہے؟ ارے بھائی! اس میں خرابی یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا اس وقت باعث اجر وثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے،

اب ایک شخص کہے کہ ''معاذاللہ'' یہ تین کا عدد کچھ بے تکا سا ہے۔ چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے۔ بتایئے۔ اس نے کیا گناہ کیا؟ اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کرلی؟ یا ڈاکہ ڈالا یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا۔ ایک رکوع زیادہ کیا اور دو سجدے زیادہ کیے اور اللہ کا نام لیا۔ اب اس میں اس نے کیا گناہ کرلیا؟ لیکن ہوگا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی، تو نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر وثواب کا موجب نہیں ہوگی بلکہ ان پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی اور ان کو بھی خراب کردے گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا کوئی فائدہ کوئی اجر وثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد صاحب قدس اللہ سرہٗ کے پاس ایک بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''دعاجو'' تشریف لایا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے۔ ایک دن آکر انہوں نے والد صاحب سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجد کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ نے بلیک

بورڈ پر چاک سے ایک ہندسہ "۱" بنایا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپ نے اس ایک ہندسے کے دائیں طرف (۰) ایک نقطہ بنایا لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہوگیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ کیا ہوگیا؟ لوگوں نے کہا اب یہ سو (۱۰۰) ہوگیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار (۱۰۰۰) ہوگیا۔ پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جارہا ہوں یہ دس گنا بڑھتا جارہا ہے۔ پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیے اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ہندسے کے بائیں طرف (۰۱) لگایا۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہوگیا۔ یعنی ایک کا دسواں حصہ اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہوگیا، یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہوگیا (۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک۔ یعنی ایک کا ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کررہے ہیں پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سنّت ہیں اور بائیں طرف جو لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں۔ دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو سنّت ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے اور جو بائیں طرف لگائے جارہے ہیں تو وہ اجر وثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اس کو گھٹا رہے ہیں اور انسان کے عمل کو ضائع کررہے ہیں، بس سنّت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

بھائی! دین سارا کا سارا اتباع کا نام ہے جس وقت ہم نے جو کام کہہ دیا

اس وقت اگر کرو گے تو باعثِ اجر ہوگا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچ کر کرو گے تو اس میں کوئی اجر وثواب نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نمازِ تہجد پڑھنا

ہمارے حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آ گئی۔ مشہور واقعہ ہے آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرام کو دیکھنے کے لیے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے ہیں جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زور زور سے قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ یارسول اللہ!

"اسمعت من ناجیت"

میں جس سے مناجات کر رہا تھا اس کو سنا دیا۔ اس لیے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا۔ اس کے لیے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

"انی او قظ الوسنان واطرد الشیطان"

میں اس لیے زور سے پڑھ رہا تھا، تاکہ جو سونے والے ہیں ان کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ارفع قلیلاً تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اخفض قلیلاً تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کردو[1]۔

اعتدال مطلوب ہے

بہرحال! یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے اور اس کی تشریح میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعتدال کی تعلیم دی کہ نہ بہت زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے پڑھو اور یہ قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ

(۱) سنن ابی داود ۲۷/۲ (۱۳۲۹) وسنن الترمذی ۴۶۵/۱ (۴۴۷) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ۴۱۸/۱ (۱۲۸۶): أخرجه مسندًا ومرسلًا، وأخرجه الترمذي، وقال: حديث غريب، وإنما أسنده يحيى بن إسحاق عن حماد بن سلمة، وأكثر الناس إنما رووا هذا الحديث عن ثابت، عن عبد الله بن رباح، مرسلًا، هذا آخر كلامه. ويحيى بن إسحاق هذا هو البجلي السيلحيني، وقد احتج به مسلم في صحيحه. وقال النووي في "الخلاصة" ۳۹۱/۱ (۱۲۳۵): رواه أبو داود بإسناد صحيح.

سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ (۱)

کہ نماز میں نہ بہت زیادہ زور سے پڑھو، نہ بہت زیادہ آہستہ پڑھو، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی تجویز فنا کردو

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنا رہا ہوں۔ اس نے سن لیا۔ زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے، اس لیے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہوگئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے اور اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو اور اب ہماری تجویز کے مطابق پڑھو۔ تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا۔ اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہیے

یہ ہے سارے دین کا خلاصہ کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو۔ جو کوئی عمل ہو وہ

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۱۱۰)۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہوجائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لیے قربانی مشروع کی گئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی درحقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہٗ کے حکم کے تابع ہونی چاہیے اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونی چاہیے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہیے۔ بس! اس قربانی کا سارا فلسفہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی برکات عطا فرمائے۔ آمین۔

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف[1] میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے اس قربانی کے نتیجے میں یہ ہوگا کہ اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جتنا زیادہ قربانی کرے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے

(۱) سنن ابن ماجه ٤/٥٥٧ (٣١٢٧) ومستدرک حاکم ٢/٤٢٢ (٣٤٦٧) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه قال الذهبي في "التلخيص": عائذ الله قال أبو حاتم: منكر الحديث.

یہاں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے[1]۔ یہ سب اس لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آ رہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے، صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قاعدہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے تو کوئی ہدیہ یا تحفہ بطورِ نذرانہ ساتھ لے جاتے اور درحقیقت اس بادشاہ کو تمہارے نذرانے کی ضرورت نہیں، لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس نذرانے کو قبول کرلے گا تو اس کی خوشنودی حاصل ہوجائے گی اور اس کے نتیجے میں اور کچھ حاصل ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا، اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا۔ اس دیہاتی نے ارادہ کیا کہ میں بغداد جاکر بادشاہ اور امیر المومنین سے ملاقات کروں اور وہ آج کل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لے کر بیٹھ گئے اور بادشاہ بن گئے، بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی۔ بہرحال! جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جارہا ہوں تو ان کے

(۱) سنن الترمذی ۱۵۹/۳ (۱۴۹۳) وقال: هذا حديث حسن غريب۔ وسنن ابن ماجه ۵۵۶/٤ (۳۱۲٦).

لیے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لے کر جانا چاہیے۔ اب کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ جو بادشاہ کے لائق ہو اور بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہوجائے؟ وہ چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ دنیا کی خبر بھی نہیں تھی، اس لیے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہمارے گھر مٹکے میں جو پانی ہے وہ نہر کا ٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ ایسا پانی بادشاہ کو کہاں میسر آتا ہوگا، لہٰذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی اور اب اس نے وہ پانی کا گھڑا سر پر اُٹھایا اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ہوائی جہاز یا ریل کا سفر تو تھا نہیں، پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا، اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اُڑ اُڑ کر مٹکے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہنچتے پہنچتے مٹی کی تہہ جم گئی، جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ مٹکا پیش کردیا اور کہا کہ یہ میرے گاؤں کے کنویں کا صاف شفاف و میٹھا پانی ہے، میں نے یہ سوچا کہ اتنا اچھا پانی آپ کو کہاں میسر آتا ہوگا اسلیے میں آپ کے لیے لایا ہوں یہ آپ کے لیے نذرانہ ہے آپ قبول فرمالیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مٹکے کا ڈھکن کھولو، جب اس دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی اس لیے کہ اس کو بند کیے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بے چارہ دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کرکے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کررہا ہے، اس لیے اس کا دل نہیں توڑنا چاہیے، چنانچہ

اس گھڑے کو بند کرادیا اور اس دیہاتی سے کہا کہ تم ماشاء اللہ بہت اچھا تحفہ لائے ہو۔ واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آ سکتا ہے اس پانی کی بڑی تعریف کی اور پھر حکم جاری کردیا کہ اس کے عوض اس کو ایک گھڑا اشرفیوں سے بھر کر دیدو، چنانچہ وہ دیہاتی خوش ہوا کہ میرا تحفہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہوگیا اور اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا۔ جب وہ دیہاتی واپس جانے لگا تو بادشاہ نے اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لے جانا۔

اب وہ دیہاتی بڑا خوش واپس جارہا تھا۔ بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا۔ جب دریائے دجلہ راستے میں آیا تو اس دیہاتی نے دجلہ کو دیکھ کر نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے اور اس کا پانی پی کر دیکھو! اب جب اس دیہاتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ تو انتہائی صاف و شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ اب اس دیہاتی کو خیال آیا کہ یااللہ! میں بادشاہ کے لیے کس قسم کا پانی لے گیا تھا۔ اس کے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کا پانی بہہ رہا ہے۔ اس کو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میری خاطر اس گھڑے کو قبول کرلیا۔ ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دی جاتی کہ تو ایسا سڑا ہوا گندہ پانی لے کر آیا ہے، لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کرلیا اور اس کے بدلے میں مجھے ایک اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جو عبادتیں کرتے

ہیں یہ وہ پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ گرد و غبار اور مٹی سے اَٹا ہوا ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ عبادتیں ہمارے منہ پر مار دی جائیں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اس کو قبول فرمالیتے ہیں اور اس پر اور زیادہ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے جو اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور اس سے زیادہ بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا، چونکہ اخلاص کے ساتھ لایا ہے اس لیے اس کی عبادت قبول کرلو، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول فرمالیتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور طاعات پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ ہماری عبادات درحقیقت دیہاتی کے پانی کے مٹکے کی طرح ہیں۔

تم اس کے زیادہ محتاج ہو

اور اگر بالفرض تم بادشاہ کے دربار میں بہت اچھی اور قیمتی چیز، مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانے لے کر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ درجے کا تحفہ لے کر جاتا تو وہ بادشاہ اس تحفہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا تھا اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی کہ تمہارا ہدیہ اور تحفہ قبول ہے اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کردیا جاتا تھا اس لیے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفے کے محتاج ہو اور ضرورت مند ہو، لہٰذا تم ہی اس کو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہیے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لیے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری اِدھر قربانی کی عبادت اَدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کرلیا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمہارا ہے اور فرمادیا کہ یہ جانور لے جاکر کھاؤ اس کا گوشت تمہارا ہے اس کی کھال تمہاری ہے۔ اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے۔ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اکرام دیکھیے کہ نذرانہ مانگا جارہا ہے، لیکن جب بندہ نے خون بہادیا اور نذرانہ پیش کردیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کرلی تو بس کافی ہے۔ ہمیں اتنا ہی چاہیے تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (۱)

ہمیں تو اس کا گوشت نہیں چاہیے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہیے ہمیں تو تمہارے دل کا تقویٰ چاہیے۔ جب تم نے اپنے دل کے تقوے سے یہ قربانی پیش کردی وہ ہمارے یہاں قبول ہوگئی۔ اب اس کو تم ہی کھاؤ، چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود کھائے۔ ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے، لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے۔

---

(۱) سورۃ الحج آیت (۳۷)۔

تب بھی قربانی کے ثواب میں کمی نہیں آتی اس لیے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہوگئی جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیردی، جب میرے بندے نے میرے حکم پر عمل کرلیا۔ تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہوگئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟

لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لیے سواری بنیں گے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں گے۔ یہ ایک ضعیف اور کمزور روایت ہے جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

"سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم"[1]

یعنی "اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں بنیں گی۔"

لیکن یہ انتہاء درجے کی ضعیف حدیث ہے اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس لیے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ ضعیف حدیث ہے، لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی۔ ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔

---

(۱) تخریج احادیث الکشاف للزیعلی ۱۷۷/۳ طبع دار ابن خزیمہ۔ وقال غریب. والمنتقی من مسموعات مرو للضیاء المقدسی ص۱۰٦ (۱۷۲) مخطوط من المکتبة الشاملة۔ والتدوین فی اخبار قزوین للرافعی ۲۱۹/۳۔

اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہوجاتی ہے[1]۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

بہرحال! یہ سب اس لیے کرایا جارہا ہے، تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ[2]

جب اللہ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مؤمن مرد یا مؤمن عورت کے لیے کوئی فیصلہ کردیں تو اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اجر وفضیلت عطا فرمائے اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے اور

(۱) سنن الترمذی ۳/۱۵۹ (۱۴۹۳) وقال ہذا حدیث حسن غریب۔
(۲) سورۃ الاحزاب آیت (۳۶)۔

اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

فلسفۂ حج وقربانی

(اصلاحی مواعظ ۲/ ۱۸۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفۂ حج و قربانی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

امابعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ (۱)

حضرات علمائے کرام، بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ گزشتہ اجتماع میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اس مجلس کا اصل مقصد یہ

(۱) سورۃ الفجر آیت (۱ تا ۵)۔

ہے کہ ہم لوگ بیٹھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور مرنے کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کے لیے اصلاح کی فکر کریں، نہ یہاں کوئی استاد ہے، نہ شاگرد، نہ معلم ہے، نہ متعلّم، نہ مصلح ہے اور نہ زیرِ اصلاح، بلکہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور ہم سب ایک ہی منزل کے بارے میں بیٹھ کر سوچ بچار کرنے والے ہیں، اس کے لیے کیا تیاری کرنی چاہیے؟ کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکے؟ باہمی مذاکرات کی برکت سے اللہ تعالیٰ دلوں میں فکر پیدا فرمادیتے ہیں، چنانچہ اسی فکر کے پیدا کرنے کے لیے یہ اجتماع منعقد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی برکات عطا فرمائیں۔ (آمین)

ایک وقتی مطالبہ

اصلاحِ نفس اور آخرت کی تیاری کے لیے دین کے احکامات وتعلیمات بے شمار ہیں اور ان شاء اللہ رفتہ رفتہ مختلف موضوعات سامنے آتے رہیں گے، لیکن اس وقت خیال آیا کہ ایک وقتی مطالبہ ہے، اس کے بارے میں کچھ گزارشات عرض کردوں۔ وہ مطالبہ یہ ہے کہ ایک دو دن کے بعد ذی الحجہ کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو مختلف امتیازات بخشے ہیں جن سے متعلق اس کے کچھ احکامات وتعلیمات موجود ہیں، تو خیال آیا کہ ان سے متعلق کچھ گزارشات پیش کردی جائیں، کیونکہ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے کہ اس وقت مجھ سے دین کا کیا تقاضا اور کیا مطالبہ ہے؟ آدمی اگر اسی وقتی تقاضے پر عمل کرے تو اسی کا نام دین ہے۔

لوگوں کی حالت اور اصلاح کا بہترین نسخہ

ایک بات یاد آئی کہ میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بڑے کام کی بات ارشاد فرمائی کہ لوگ اسی وجہ سے اصلاح نہیں کر پاتے کہ وہ یا تو ماضی کے غم میں یا مستقبل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں اور اسی غم و فکر کی وجہ سے حال کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لوگ اس غم میں رہتے ہیں کہ ہماری گزشتہ زندگی بڑی خراب اور مصیبتوں اور اللہ کی نافرمانی میں گزری اور مایوس ہوجاتے ہیں اور مستقبل کی فکر کہ آئندہ کیا ہوگا؟ اس کے تصور اور اندیشوں کو اپنی جان کا وظیفہ بنالیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حال، یعنی موجودہ وقت میں کام کرنے کو بھول گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اصلاح کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر چھوڑ کر حال کی فکر کرو۔ ماضی میں جو کچھ ہوا، اسے بھول کر ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں آکر عرض کردو کہ اے اللہ! میں نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں، انھیں معاف فرمادے اور یہ دعا پڑھو:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

ماضی کا حساب تو اس طرح بے باق کرو اور مستقبل کی فکر میں پڑے بغیر حال کی فکر کرو کہ اس وقت دین کا تم سے کیا مطالبہ ہے؟ بس اس کی فکر کرلو تو تمھارا ماضی اور مستقبل دونوں درست ہوجائیں گے۔ جب تم حال کی فکر کروگے تو یہ تمھارے لیے ماضی بن جائے گا اور مستقبل رفتہ رفتہ حال بنتا جائے گا۔ یہ ایسی عجیب و غریب بات ہے کہ جس کی برکت عمل کرتے وقت ظاہر ہوگی، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ حال کی فکر کریں۔ ماضی اور مستقبل کی فکر میں اس کو برباد نہ

کریں، ان شاء اللہ حال کی فکر سے ماضی اور مستقبل اپنے وقتی تقاضے کے مطابق حل ہوتے جائیں گے۔ اسی حوالے سے اس وقت ذی الحجہ کے وقتی مطالبہ کے تحت اس کے احکامات بیان کیے جائیں گے، اگرچہ باتیں وہی ہیں جو ہم سب نے سن رکھی ہیں اور ہمیں معلوم بھی ہیں، لیکن سن لینا اور معلوم ہونا اور چیز ہے، جبکہ عمل کرنا دوسری چیز ہے۔ بعض اوقات انسان کو کوئی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کی طرف عمل کے لحاظ سے توجہ نہیں جاتی تو اس طرح اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ مذاکرہ کامیاب ہوگا۔

ذی الحجہ کے مہینے کی امتیازی خصوصیات اور عبادات

ذی الحجہ کے مہینے کی کچھ خصوصیات ہیں اور کچھ ایسی عبادتیں اس مہینے میں مقرر فرمائی گئیں ہیں جو سارے سال میں ادا نہیں کی جاسکتیں، جبکہ دوسری عبادتوں کا حال یہ ہے کہ وہ وقت مقررہ میں تو ادا کی ہی جائیں گی، لیکن اگر وہ وقت مقررہ کے علاوہ نفلی طور پر ادا کی جائیں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً فرض نماز کے پانچ اوقات مقرر ہیں، لیکن اگر نفلی طور پر کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ زکوٰۃ سال بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے، لیکن نفلی صدقہ عام دنوں میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی روزے ہیں کہ سال بھر میں صرف رمضان کے مہینے میں فرض ہیں، لیکن رمضان کے علاوہ بھی نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں، لیکن ذی الحجہ کے مہینے میں دو عبادتیں ایسی ہیں جو اس مہینے کے مخصوص ایام کے علاوہ کسی اور دن میں ادا نہیں کی جاسکتیں: ایک تو حج کی عبادت اور دوسری قربانی کی عبادت۔

حج سے متعلق کچھ احکامات

چنانچہ حج ذی الحجہ کی متعین تاریخوں ہی میں ادا کیا جاسکتا ہے، ورنہ عرفات کا میدان تو آج بھی ویسے ہی اپنی آغوش کھولے ہوئے ہے اور منیٰ میں جمرات تو آج بھی موجود ہیں، لیکن اگر آج کوئی شخص عرفات میں ایک نہیں، بلکہ دو دن بھی وقوف کرلے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر کوئی ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں پہنچ جائے یا دسویں ذی الحجہ کی رات کو پہنچ جائے تو اس کا حج ہوگیا، اللہ کی رحمت کا سایہ اس میدان میں ایسا پھیلا ہوا ہے کہ شیطان پورے سال میں اس دن سے زیادہ کسی اور دن میں رسوا نہیں ہوتا اور وقوف میں یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا دن وقوف کیا جائے، بلکہ اگر کوئی شخص اس دن ایک منٹ کے لیے بھی پہنچ جائے تو اس کا حج ہوگیا، حتیٰ کہ اگر کوئی سوتا ہوا بھی گزر جائے تو اس کا حج بھی ادا ہوجائے گا، لیکن اگر یہی عبادت سال کے دوسرے دنوں میں کی جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

قربانی کا حکم

اسی طرح قربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سال بھر میں تین دن مخصوص فرمائے ہیں: دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ۔ ان تین دنوں کے علاوہ اگر آپ قربانی کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، کیونکہ قربانی نام ہے کسی جانور کے گلے پر اللہ کی رضا کے لیے چھری پھیرنا۔ ادھر آپ نے جانور کے گلے پر چھری پھیری اور ادھر قربانی کا فریضہ ادا ہوا،

لیکن اگر آپ آج قربانی کریں تو ایک نہیں، سو جانور بھی ذبح کرلیں تو وہ قربانی کی عبادت نہ ہوگی، کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو ذی الحجہ کے مخصوص ایام کے علاوہ کبھی ادا ہی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اصل ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی بھی عمل میں اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا، جو کچھ ہے، وہ اللہ کے حکم اور ہمارے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے۔ جب کسی بھی حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم پیوستہ ہوجائے تو وہ عمل عبادت بن جائے گا اور موجب اجر وثواب بن جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے ہٹ جائے گا تو اب اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ عرفات کے میدان پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہاں جا کر وقوف کرنے والوں کو جو ثواب ملتا ہے، وہ درحقیقت اس میدان کے ذرات، پہاڑ، صحرا کی ریت اور ان پتھروں کی وجہ سے نہیں، بلکہ جو کچھ بھی اجر و ثواب ہے، وہ صرف اللہ کے حکم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو جانور کے گلے پر چھری پھیرنا اور قربانی کرنا موجب اجر وثواب ہے تو آج یہ عمل اللہ کا محبوب بن گیا، ایسا محبوب کہ آج کے دن، یعنی یوم النحر میں خون بہانے کے علاوہ کوئی کام اتنا محبوب ہی نہیں، لیکن وہی قربانی عام دنوں میں کرتے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ بتلانا درحقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عبادت میں اور کسی بھی کام میں اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں، تقدس اس وقت آتا ہے، جب اللہ کا حکم ہو، گویا یہ ایک سبق ہے جس میں بدعت خرابی پیدا کرتی ہے، بدعت اس کام کا نام ہے جو آپ از خود گھڑ کر عبادت بنالیں، اس کو نہ اللہ نے عبادت قرار دیا ہو، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

منیٰ میں نماز کا حکم

جن حضرات کو حج پر جانے کا موقع ملا ہے، وہ تو جانتے ہی ہیں اور جن کو حاضری کا موقع نہیں ملا، انھوں نے بھی شاید سنا ہوگا کہ حاجی حضرات ۸ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوکر منیٰ چلے جاتے ہیں اور منیٰ میں جانے کے بعد کوئی کام نہیں، نہ رمی ہے اور نہ مناسک حج میں سے کوئی رکن ادا کرنا ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ ظہر سے لے کر اگلی فجر سمیت پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرو۔ کتنی اچھی بات تھی کہ مکہ مکرمہ میں رہ رہے تھے اور نمازیں مسجد حرام میں پڑھ رہے تھے کہ جس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، لیکن حکم ہوا کہ مسجد حرام اور اس میں نماز پڑھ کر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کو چھوڑ کر منیٰ کی وادی میں مقیم ہوجاؤ، جہاں صرف پانچ نمازیں پڑھنی ہیں، اس سے یہ سبق سکھانا مقصود ہے کہ کہیں تمھارے ذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ مسجد حرام کے پتھروں میں کچھ رکھا ہے، بلکہ جو کچھ ہے، وہ ہمارے حکم اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنّت میں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر نہیں جاسکتا تو ایک لاکھ تو کجا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا، اس لیے کہ خلاف سنّت کام کر رہا ہے۔

حکمِ الٰہی کی اہمیت وعظمت

بعض ہندو بت پرست اعتراض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں تو پتھروں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود بیت اللہ کی طرف منہ کرکے سجدہ کرتے ہو، گویا ان کی عبادت کرتے ہو، پھر ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے؟ تو اللہ جل

شانہ نے ابتداء اسلام میں یہ نظارہ دکھادیا کہ اچانک حکم آگیا کہ بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو، چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ۱۷ مہینے بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، حالانکہ حضور ﷺ کا دل چاہتا تھا کہ قبلہ بیت اللہ ہو۔ اس کی حکمت اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارے میں بیان فرمائی:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ (۱)

مقصد یہ ہے کہ بیت اللہ کے پتھروں میں کچھ نہیں رکھا، ہاں مشرق اور مغرب میں جو کچھ ہے، وہ اللہ کے قبضے میں ہے۔

دیکھنا یہ مقصد تھا کہ:

مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (۲)

کون پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا حجرِ اسود کو خطاب

چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے گئے تو بوسہ دینے سے پہلے حجرِ اسود سے خطاب کیا کہ اے حجرِ اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ کوئی نفع پہنچانا تیرے قبضے میں ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچانا

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۴۲)۔
(۲) سورۃ البقرۃ آیت (۱۴۳)۔

تیرے بس میں ہے، لیکن اگر میں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا[1]، یہ نبی اکرم ﷺ کی سنّت ہونے کی وجہ سے موجب اجر وثواب ہے، تیری ذات میں کوئی تقدس نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ فرطِ محبت میں رکنِ یمانی کا بھی بوسہ لے لیتے ہیں۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ عمل جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، تو جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان دو عبادتوں کو ان ایام کے ساتھ مخصوص کیا کہ ان ایام میں اگر وہ عبادتیں سرانجام دوگے تو ہمارے نزدیک مستحق اجر وثواب ہوگے اور اگر اس سے ہٹ کر کروگے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، یہ خصوصیت اللہ نے صرف اسی مہینے کو عطا فرمائی ہے۔

ذی الحجہ کے مہینے کے احکامات

اسلام میں اس مہینے سے متعلق کچھ خصوصی احکام ہیں، سب سے پہلا حکم ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی اہلِ اسلام کو دیا گیا، وہ یہ ہے کہ جس شخص نے اس مہینے میں قربانی کرنی ہو تو وہ نہ بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے، اس لیے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ بال کاٹے جائیں اور نہ ناخن[2]۔ اس حکم کو بعض حضرات نے مستحب اور بعض نے واجب کہا ہے۔ بہر حال! حکم ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۴۹/۲ (۱۵۹۷)۔
(۲) صحیح مسلم ۱۵۶۵/۳ (۱۹۷۷)۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کی اہمیت

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں چاروں طرف سے لوگ کھینچ کھینچ کر حج کرنے کے لیے بیت اللہ کی طرف جارہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ بیت اللہ میں کوئی مقناطیس لگا ہوا ہے جو چاروں طرف سے لوگوں کو کھینچ رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پوری ہورہی ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْ إِلَيْهِمْ [1]

اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو ایسا بنادیجیے کہ لوگ مائل ہوں ان کی طرف۔

لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو حج تو کرنا چاہتے ہیں، مگر اس کے لیے وسائل مہیا نہیں یا کوئی اور مجبوری ہے۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو پیسے کی کمی کی وجہ سے حج نہیں کرسکے، کیا ان کو حج کی برکت سے محروم فرمادیں گے؟ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی سے یہ بہت بعید ہے کہ کسی آدمی کو صرف پیسے نہ ہونے کی وجہ سے محروم فرمادیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹا سا عمل بتلادیا کہ تمھیں حج کو جانے والوں کی تھوڑی سی مشابہت اختیار کرنی پڑے گی، وہ یہ کہ جیسے حاجی حضرات بال اور ناخن نہیں کاٹتے تو تم بھی یہ مشابہت اختیار کرلو اور بال و ناخن نہ کاٹو، جب تم

---

(۱) سورۃ ابراہیم آیت (۳۷)۔

نے مشابہت پیدا کرلی تو اس طرح ان حاجیوں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ عرفات کے میدان میں حاجیوں پر رحمت کی بارش برسائیں گے تو اس کا کوئی چھینٹا تم تک بھی ضرور پہنچے گا ؎

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے، میں صورت لے کر آیا ہوں

حضرت فرماتے ہیں کہ یہ جو کہا جارہا ہے کہ بال اور ناخن نہ کاٹو۔ درحقیقت کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ! میں وہاں تک تو نہ پہنچ سکا، لیکن جانے والوں کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت پیدا کرلی ہے تو کیا میں صرف اس وجہ سے محروم رہ جاؤں گا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، نہیں! ہماری شانِ رحیمی تمھیں محروم نہیں کرسکتی جب تم نے مشابہت پیدا کرلی تو تم بھی اللہ کی رحمتوں میں ضرور شامل ہوگے۔

یوم عرفہ کا روزہ

عشرہ ذی الحجہ کے بارے میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ یکم ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک جو کہ رمضان المبارک کے بعد ایسا عشرہ ہے جس کی بہت زیادہ خصوصیات ہیں جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دنوں میں ایک روزہ رکھنا ایک سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔(۱)

---

(۱) سنن الترمذی ۱۲۲/۲ (۷۵۸) وقال: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث مسعود بن واصل عن النهاس، وسنن ابن ماجه ۲۱۱/۳ (۱۷۲۸)۔

شروع میں جو آیت میں نے تلاوت کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے فجر کے وقت کی اور دس راتوں کی قسم کھائی ہے:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۱)

اس بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کو لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اوقات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کی برکات سے نوازیں۔ آمین

عشرۂ ذی الحجہ کے بارے میں تیسرا حکم

تیسرا حکم عرفہ کے دن سے متعلق ہے، یوں تو ان دنوں میں روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا حامل ہے، لیکن خاص طور پر عرفہ (۹ ذی الحجہ کے دن) کا روزہ رکھنا ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

> یوم عرفہ کو جو شخص روزہ رکھے گا، مجھے امید ہے کہ اس ایک سال پچھلے اور ایک سال اگلے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا (۲)۔

---

(۱) سورۃ الفجر آیت (۱-۲)۔

(۲) سنن الترمذی ۱۱۵/۲ (۷۴۹) وقال حدیث حسن۔ وسنن ابن ماجہ ۲۱۲/۳ (۱۷۳۰)۔

تکبیرِ تشریق

ان ایام میں تیسرا حکم تکبیر تشریق ہے جو یوم عرفہ کی نماز فجر سے شروع ہوکر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر
وللہ الحمد

مردوں کے لیے اسے درمیانی بلند آواز سے پڑھنا واجب اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنّت ہے۔ (۱)

خواتین کے لیے تکبیر تشریق

یہ تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے، البتہ اس بارے میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین کو یہ تکبیر یاد نہیں رہتی اور عموماً خواتین اس کو نہیں پڑھتیں، مگر یاد رکھیں! عورتوں پر بھی پانچ دنوں تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہنا واجب ہے، لیکن خواتین کو آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے (۲)۔

قربانی اور مادہ پرست

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ قربانی کے ایام تین ہیں اور یہ دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے مخصوص دنوں میں ہی ادا کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۲/۱۷۹۔
(۲) حوالہ سابقہ۔

آج ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ جہاں دین کے بنیادی ستونوں پر لوگ طعنہ زنی کر رہے ہیں اور ان ہی کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ قربانی ایک بے فائدہ کام اور دولت کا ضیاع ہے۔(العیاذ باللہ) اور کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ محض اس قربانی کی وجہ سے قوم کا لاکھوں کروڑوں، بلکہ اربوں روپیہ پانی کی طرح نالیوں میں بہہ جاتا ہے۔ غرض لوگ اس صریح حکم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک تاجر صاحب تھے، انھوں نے ہی مجھے بتایا کہ جو تاجر قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں، ان کو ہر طرف پیسہ ہی پیسہ ناچتا نظر آتا ہے۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک تاجر صاحب تھے، جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ بتلایئے آپ کو جنت میں لے جائیں یا جہنم میں؟ انھوں نے کہا، جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو، وہاں لے جاؤ۔ تو ایک ذہنیت یہ ہے کہ کام وہی ہے جس میں چار پیسوں کا فائدہ ہو جو کہ مادہ پرستی کی پیدا کردہ ہے۔

فلسفۂ قربانی

جبکہ نادان لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ کس کی یادگار ہے، یہ یادگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے اور اس اعتراض کا جواب کہ پیسے ضائع ہو رہے ہیں، یہ ہے کہ قرآن نے خود قربانی کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کردو اور ان کو ذبح کردو۔ اب اندازہ لگایئے کہ حکم یہ ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو، قرآن کہتا ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا[1]

جس کسی نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پھر اگر بچہ نابالغ ہو تو حالتِ جہاد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کے بچوں کو قتل نہ کرو اور کسی بچے کو حالت جنگ میں بھی قتل نہ کرو، پھر وہ نابالغ بچہ اور اسے قتل کیا جائے تو یہ انسانیت کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ عقل کی کسی بھی میزان پر اس کو رکھ کر دیکھ لیں، یہ کسی طرح بھی معقول نظر نہیں آتا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردو، لیکن جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا تو انھوں نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ! جس بچے کو میں نے امنگوں اور مرادوں سے حاصل کیا ہے، آخر اس کا قصور کیا ہے؟ اور اگر کوئی قصور کیا ہے تو اس کو مارنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ انھوں نے اللہ کے حکم کے آگے کچھ نہیں پوچھا، کیونکہ وہاں پر سود وزیاں کا مسئلہ نہیں رہتا، پھر تو یہ ہے کہ چاہے فائدہ ہو یا نقصان، راحت ہو یا تکلیف، اس حکم پر عمل کرنا ہے اور بیٹے سے بھی صرف یہی کہا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّيۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى[2]

کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں (اور خواب کا حکم وحی کا ہوتا ہے)

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۹۳)۔
(۲) سورۃ الصافات آیت (۱۰۲)۔

تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟

پلٹ کر بیٹے نے بھی نہیں پوچھا کہ اے ابا جان! میرا قصور کیا ہے؟ کہ مجھ پر یہ ظلم کیا جارہا ہے؟ وہ بیٹا بھی خلیل اللہ علیہ السلام کا تھا اور جس کی نسل سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے، چنانچہ جواب دیا:

يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٠٢﴾(١)

اے ابا جان! جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اس کو کر گزریے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

لوگوں کی اصلاح کا ایک نسخہ اور مشورہ

غور کریں کہ آج کل بکرے کی قیمت اکثر تین چار ہزار روپے ہوتی ہے، بالفرض اگر کسی سے کہا جائے کہ چار ہزار روپے دے دو اور کسی سے کہا جائے کہ اپنے بیٹے کو قتل کردو تو بتایئے کہ کون سا عمل زیادہ سخت ہے؟ چار ہزار روپے خرچ کرنے کا یا بیٹے کو قتل کرنے کا؟ ظاہر ہے کہ بیٹے کے آگے چار ہزار روپے خرچ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، لیکن جس کو بیٹا قتل کرنے کا حکم ملا، اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ اس میں میرا کیا نقصان ہے اور کیا فائدہ؟ اور جس کو قتل کرنے کے لیے کہا جارہا ہے، اس نے بھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ مجھے کیوں قتل کیا جارہا ہے؟ لیکن جس سے کہا جاتا ہے کہ چار ہزار روپے خرچ کردو، وہ کہتا ہے کہ مجھے مالی طور پر کیا فائدہ ہوگا، یہ تو قربانی کی روح کے خلاف ہے۔

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱۰۲)۔

جو آدمی یہ سوال کرتا ہے، وہ قربانی کی حقیقت ہی نہیں جانتا، اس قربانی کے ذریعے درحقیقت جذبہ یہی پیدا کرنا مقصود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام کرنے کا حکم آجائے تو انسان اپنی عقل کو طاق میں رکھ کر اللہ کے حکم کی پیروی کرے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ [1]

کسی مومن مرد اور عورت کو کوئی حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آجائے تو ان کے پاس اختیار ہو کہ وہ کرے یا نہ کرے۔

یہ جو تم عقل کے گھوڑے دوڑا کر اللہ کے حکم کو پامال کر رہے ہو، یہی جذبہ ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا ہے اور جب انسان نافرمانی پر آمادہ ہوتا ہے تو اس میں یہ سوچ پیدا ہوجاتی ہے کہ اس میں میرا کیا فائدہ ہے اور کیا نقصان؟ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا جرائم اور بدعنوانیوں سے بھر گئی ہے۔ رشوت خور، کرپشن کرنے والے اور بدعنوانیاں کرنے والے ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور ارشاد ہے کہ

(۱) سورۃ الاحزاب آیت (۳۶)۔

رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے[1]، لیکن اللہ کے احکام کی پروا نہ ہونے کی وجہ سے اس میں منہمک ہیں اور پروا نہ ہونے کی وجہ مادہ پرستی کی ذہنیت ہے۔ تو جب پیسہ ہی مقصودِ حیات بن گیا تو پھر یہ فکر ہی نہیں ہوتی کہ وہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کو انسان بنانے والی چیز، یعنی تقویٰ اور فکر آخرت کو کچل ڈالا گیا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ اٹھا کر دیکھ لیجیے، اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہدایت سے نوازا۔ ان کی پوری حیات طیبہ میں کم از کم مجھے تو یہ یاد نہیں ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کیوں کا سوال کیا ہو۔ درحقیقت سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ حکم کیا ہے؟ اسی ذہنیت کو بیدار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم فرمایا ہے۔ قربانی کا عمل بظاہر دیوانگی نظر آتا ہے، لیکن یہ دیوانگی وہی دراصل ہوش مندی ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد
اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

اللہ تعالیٰ کو انسان کے اس عمل میں اس کی دیوانگی ہی پسند ہے، جیسا کہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

---

(۱) مسند البزار ۲۴۷/۳ (۱۰۳۷) والمعجم الاوسط للطبرانی ۲۹۵/۲ (۲۰۲۶) وقال المنذری فی "الترغیب والترھیب"۔ طبع العلمیة (۳/ ۱۲۵): رواہ الطبراني، ورواتہ ثقات معروفون.

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

اگر اللہ تعالیٰ اسی دیوانگی کو پیدا فرمادیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرنی ہے تو دراصل اسلام میں یہی مطلوب ہے۔

اسلام سرتسلیم خم کرنے کا نام ہے

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّٰفّٰت میں یہ واقعہ بیان فرمایا تو فرمایا کہ

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (۱)

جب باپ اور بیٹے دونوں نے اللہ کے حکم کے آگے سرتسلیم خم کردیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! آج تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے۔

یہ عمل جو باپ بیٹے نے کیا، اس کو اللہ تعالیٰ نے فلما أسلما سے تعبیر کیا جس کا ترجمہ چاہے آپ یوں کریں کہ جب انھوں نے سرتسلیم خم کردیا اور اگر چاہیں تو یوں کرلیں کہ جب انھوں نے اسلام کا مظاہرہ کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام نام ہے ایسے طرزِ عمل کا جو ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے پیش کر کے دکھایا۔

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱۰۳تا۱۰۵)۔

قربانی کے بعد گوشت بھی تمہارا

پھر فرمایا کہ ہم نے آج کے دن قربانی کو ایسا بنایا ہے کہ تمہارا کام گلے پر چھری پھیردینا ہے، اس کے بعد اس کا گوشت بھی تمہارا ہے۔ خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ۔ گزشتہ اقوام کے لیے قربانی کا گوشت خود ان کے لیے حلال نہیں تھا، لیکن امت محمد یہ علی ﷺ کے لیے حلال ہے۔

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی نظیر ایسی ہے کہ پہلے زمانے کے بادشاہوں کے یہاں یہ دستور ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے پاس کوئی تحفہ لے جائے تو وہ خواہ کتنا ہی قیمتی ہو، لیکن بادشاہ اس پر صرف اپنا ہاتھ رکھتا تھا، جس کے معنی ہیں قبول ہوگیا۔ پھر وہ تحفہ اسی کو واپس کردیا جاتا تھا، ایسے ہی قربانی کے جانور کے گلے پر اللہ کا نام لے کر چھری پھیردی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس پر ہاتھ رکھ دیا کہ یہ ہمارے یہاں قبول ہے، اب تم اسے واپس لے جاؤ، اس کا گوشت، کھال اور تمام اعضاء تمہارے ہوگئے، اسی لیے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۱)

اللہ تعالیٰ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

(۱) سورۃ الحج آیت (۳۷)۔

یعنی ہمیں نہ اس کا گوشت چاہیے، نہ اس کا خون، بلکہ تمھارے دلوں کا تقویٰ مطلوب ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ جو ہم نے کہا، وہ کرو۔ تو قربانی محض ایک رسم نہیں، بلکہ ایک فلسفہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک ذہنیت پیدا کرنا چاہتے ہیں، اس ذہنیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں عبادتوں کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے ساتھ ہی وہ حقیقی سبق کہ اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردو، اپنی زندگی میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واٰخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین
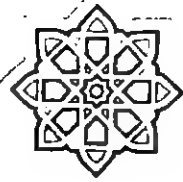
حج نفلی کب کرنا چاہیے؟

(خطباتِ عثمانی ۳/۱۶۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج نفلی کب کرنا چاہیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (۱)

(۱) سورہ ابراہیم آیت (۳۷)۔

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبی الكريم، ونحن علی ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! شعبان کے مہینے سے ذی الحجہ کے مہینے تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادتوں کی ایسی ترتیب رکھی ہے کہ اس دوران کا ہر مہینہ مخصوص عبادتیں اور مخصوص احکام رکھتا ہے۔ رمضان المبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزے فرض فرمائے[1]۔ تراویح کی نماز سنّت قراردی[2] اور رمضان المبارک کی تکمیل کے فوراً بعد حج کے مہینے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور حج کے مہینوں کی انتہاء ذی الحجہ کے مہینے پر ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حج کی توفیق عطا فرمائی وہ حج کی عبادت انجام دیتے ہیں۔ اور جن کو حج کے لیے جانے کا موقع نہیں ملا ان کے لیے عشرۂ ذی الحجہ میں دوسری عبادتیں ہیں اور بالآخر ان کی عبادات کی انتہاء قربانی کی عبادت پر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ پورا زمانہ عبادتوں کا زمانہ ہے۔

بیت اللہ میں مقناطیس لگا ہوا ہے

اور یہ وقت جو ہمارا اس وقت گزر رہا ہے یہ اشہرِ حج کا زمانہ ہے اور

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۸۳)۔

(۲) سنن النسائی ۱۵۸/٤ (۲۲۱۰) وسنن ابن ماجه ٤٦٤/٢ (۱۳۲۸) والحديث اخرجه الذہبی فی "السير" ۷۰/۱ وقال ہذا حديث حسن غريب۔

اللہ کے نیک بندے دنیا کے اطراف سے اس وقت بیت اللہ کا رخ کر رہے ہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ وہ بیت اللہ جو زمین کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہے اس میں کوئی مقناطیس نصب ہے جو چاروں طرف سے انسانوں کو کھینچ رہا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تو اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ (۱)

اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو ایسا بنادیجئے کہ وہ کھنچ کھنچ کہ یہاں بیت اللہ کے پاس آئیں۔

یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ مسلسل انسانوں کے قافلے اس بیت اللہ کا اشتیاق، محبت اور تعظیم کے ساتھ رخ کرتے ہیں، خاص طور پر حج کے زمانے میں تو یہی منظر نظر آتا ہے کہ ایک مقناطیس ہے جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس مناسبت سے پچھلے دو بیانات میں حج کے بارے میں کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی تھیں، اس میں حج کے فضائل بھی عرض کیے تھے، اور حج کے احکام بھی کہ کن لوگوں کے ذمہ حج فرض ہوتا ہے، اور حج کے فوائد اور اس کا فلسفہ بھی عرض کیا تھا۔

حج کے فضائل اور فوائد

حج کے بارے میں یہ بات تو پچھلے بیانات میں آگئی ہے کہ یہ کتنی عظیم

(۱) سورۂ ابراہیم آیت (۳۷)۔

عبادت ہے، اور اس کے کتنے عظیم فضائل ہیں، اور ایک مسلمان کے لیے اس کے دنیا وآخرت میں کیسے فوائد ہیں، قرآنِ کریم نے فرمایا کہ جب لوگ حج کے لیے آتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے حج کے منافع کا مشاہدہ کرتے ہیں (۱) اور حج کو جانے والا ہر شخص اس بات کی تصدیق کرے گا کہ دنیا وآخرت کے بے شمار منافع اور فوائد اس کے اپنے مشاہدے میں آتے ہیں، بہرحال! حج کے فضائل بھی بے شمار ہیں، فوائد بھی بے شمار ہیں۔

ہر عبادت کی حد مقرر کردی گئی ہے

لیکن اللہ جل شانہ نے ہمیں اور آپ کو ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں ہر چیز میں اعتدال ہے، اور جس میں ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھا گیا ہے، غلو اور مبالغہ اور حد سے گزرنا ہمارے دین میں مطلوب نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت سی عبادتوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں وہاں ان عبادتوں کی حدود بھی بیان فرمائی ہیں کہ کن حدود میں وہ عبادتیں انجام دی جائیں؟ مثلاً نماز ہے، کتنی فضیلت والی عبادت ہے، دین کا عظیم رکن اور اسلام کا ستون ہے (۲)، لیکن بعض خاص اوقات ایسے ہیں جن کے بارے میں کہہ دیا کہ ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، چنانچہ زوال کے وقت نماز پڑھنا منع ہے، طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا منع ہے، غروبِ آفتاب کے وقت نماز

---

(۱) سورۃ ابراہیم آیت (۲۷-۲۸)۔

(۲) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۱۱/۱ (۸) جس میں ہے کہ "بنيَ الإسلامُ على خمسٍ: شهادةِ أنْ لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله، وإقام الصلاةِ، وإيتاءِ الزكاةِ، والحجِّ، وصومِ رمضان"۔

پڑھنا منع ہے [1]۔

ایسے نفل کا ثواب نہیں ملے گا

اسی طرح نفلی نماز کی بھی بڑی فضیلت ہے، اور اس پر بھی بڑا اجر و ثواب ہے، لیکن ایسے موقع پر نفلی نماز پڑھنا جب کہ انسان پر دوسرا فریضہ عائد ہورہا ہو نفلی نماز پڑھنا منع ہے، مثلاً گھر میں باپ یا ماں، یا بیوی یا بچے بیمار ہیں، اور اس کے علاج کے لیے آپ کو اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اب وہ بے چارہ تکلیف اور درد میں مبتلا ہے اور کراہ رہا ہے، اس وقت اگر آپ نفلی نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوجائیں تو آپ کو نفلی نماز کا ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مریض کی تیمار داری کی جائے، اور اس وقت مریض کی تیمارداری میں زیادہ ثواب ملے گا۔

ڈیوٹی کے اوقات میں نفل نماز

اسی طرح ایک شخص کسی جگہ ملازم ہے، اس نے ۸/ گھنٹے کی ڈیوٹی کے لیے اپنا وقت بیچا ہوا ہے، اب اس کا فرض یہ ہے کہ وہ آٹھ گھنٹے اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں صرف کرے، اب اگر وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر نفلی نماز پڑھنا شروع کردے تو یہ نفلی نماز پڑھنا گناہ ہے، جائز نہیں، باوجودیکہ نفلی نماز بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

---

(۱) ملاحظہ صحیح مسلم ۵٦۸/۱ (۸۳۱)۔

قرض کی ادائیگی نفلی حج پر مقدم ہے

یہی معاملہ حج کا ہے، حج بڑی عظیم الشان عبادت ہے، اس کے بڑے فضائل ہیں، اس کا بڑا اجر وثواب ہے، اور حج اللہ تعالیٰ نے زندگی میں ایک مرتبہ فرض فرمایا ہے، اگر ایک شخص نے ایک مرتبہ حج ادا کر کے یہ فریضہ ادا کر دیا، اب نفلی حج کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نفلی حج ادا کرنے کے لیے کسی فریضہ کو چھوڑ رہا ہوں، مثلاً ایک شخص کے ذمہ کسی مسلمان کا قرضہ ہے، اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ قرضے کی ادائیگی کا انتظام کرے، اور اب اگر وہ قرض ادا کرنے کے بجائے نفلی حج کرنے چلا جائے تو اس کا یہ نفلی حج باعثِ ثواب نہیں، اس صورت میں پہلے قرض کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے، اگر قرض کی ادائیگی کے بغیر حج کرنے چلا جائے گا اور اس کے نتیجے میں قرض خواہ کو تکلیف پہنچے گی تو پھر یہ حج اس کے لیے باعثِ اجر وثواب نہیں ہوگا، بلکہ الٹا گناہ کا باعث ہوگا۔

اسلام دینِ معتدل ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں ہر چیز اپنے اپنے مقام پر ہے۔ اگر وہ چیز اپنے مقام پر ہو تو باعثِ اجر وثواب ہے اور فضیلت کی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، لیکن اگر وہ چیز اپنے مقام سے ہٹ جائے اور وہ چیز غلط طریقے پر استعمال کی جانے لگے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

جھوٹ بول کر حجِ نفل ادا کرنا

حج کا معاملہ بھی اسی طرح ہے مثلاً آپ اپنا حجِ فرض ادا کر چکے ہیں اور نفلی حج ادا کرنا چاہتے ہیں، نفلی حج تو نفل ہے کوئی فرض و واجب نہیں، لیکن دوسری طرف جھوٹ بولنا حرام ہے اور جھوٹ بول کر حجِ نفل ادا کرنا نا جائز ہے۔ اب بعض دفعہ لوگ حج کے شوق میں ایسی درخواستیں دے دیتے ہیں جس میں خلافِ واقعہ باتیں ہوتی ہیں، مثلاً حج کی درخواست میں لکھ دیا کہ میں نے اس سے پہلے کوئی حج نہیں کیا، اب ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ بولا، اور جھوٹ بول کر حجِ نفل کیا تو اس حجِ نفل کا ثواب نہیں ہوگا، بلکہ الٹا اس میں گناہ اور عذاب کا اندیشہ ہے، لہٰذا ایسے کام کرنا جس میں کسی گناہ کا ارتکاب لازم آتا ہو وہ کام کر کے اگر آدمی حج کرے گا تو کیا ثواب اس کو حاصل ہوگا؟ ہمارے معاشرے میں اس معاملے میں بے حد افراط وتفریط پھیلی ہوئی ہے، لوگ ان احکامِ شریعت کا لحاظ نہیں کرتے، یہ تو سن رکھا ہے کہ حج کرنا ثواب ہے، یہ سن رکھا ہے کہ حج کی بڑی فضیلت ہے، حج کرنے کا شوق و ذوق بھی ہے، لیکن کن حالات میں حجِ نفل ادا کرنا چاہیے اور کن حالات میں حجِ نفل ادا نہیں کرنا چاہیے اس بات کا لحاظ ختم ہوگیا ہے۔

غریبوں کو حج کا موقع دیا جائے

دوسرے یہ کہ حج ایک ایسی عبادت ہے جو عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے جس کے لیے غریب لوگ ایک ایک پیسہ جمع کر کے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی جوڑ جوڑ کر ساری عمر تمنائیں کر کے اس بیت اللہ

کے پاس پہنچتے ہیں، اس وقت حج کے لیے باہر سے جانے والے لوگوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو پیسہ پیسہ جوڑ کر حج کے لیے پہنچے ہیں، اور پھر ان کو دوبارہ حج کے لیے آنے کی کوئی توقع نہیں ہے، زندگی میں ایک مرتبہ کرلیا تو دوبارہ جانے کی امید نہیں ہوتی، لیکن حج کے لیے یہ غریب لوگ جب وہاں پہنچتے ہیں تو وہاں پر اتنا زبردست ہجوم ہوتا ہے کہ وہ غریب لوگ ڈھنگ سے نہ تو بیت اللہ کا طواف کرسکتے ہیں، نہ ڈھنگ سے حرم کے اندر نمازیں ادا کرسکتے ہیں، اور قدم قدم پر ان کو مشکلات پیش آتی ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جو امیر اور دولت مند لوگ ہیں وہ ہر سال حج کرتے ہیں اور ہر سال حج کرنے کی وجہ سے وہاں پر ایسے لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہوجاتا ہے جو بار بار وہاں حاضر ہوچکے ہیں، چونکہ ان کے پاس پیسہ ہے، لہٰذا پیسے کی وجہ سے ان کو سہولتیں حاصل ہیں جو غریب کو حاصل نہیں ہیں، اس کی وجہ سے وہ لوگ جو عمر بھر ایک ایک پیسہ جمع کرکے کسی طرح وہاں پہنچے ہیں وہ حج کی حلاوت حاصل کرنے سے بعض اوقات محروم ہوجاتے ہیں۔

ان حالات میں کیا کرنا چاہیے

اس واسطے یہ پہلو قابلِ نظر ہے کہ آیا ان حالات میں ہر سال آدمی کا حج کے لیے جانا یہ زیادہ بہتر ہے یا یہ کہ جتنی رقم آدمی حجِ نفل کے لیے خرچ کر رہا ہے اتنی رقم وہ کسی ایسے کام میں خرچ کرے جو امتِ مسلمہ کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو؟

امامِ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قدیم مسلک

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم مسلک تو یہ ہے کہ حجِ نفل کے مقابلہ میں صدقہ کرنا افضل ہے، یعنی نفلی حج میں آدمی جتنی رقم صرف کر رہا ہے بہتر ہے کہ وہ اتنی رقم صدقہ کردے اور کسی غریب کو فائدہ پہنچادے بعد میں جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود حج کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں جاکر جب دیکھا کہ انسان کو اس سفر میں کتنی مشقتیں پیش آتی ہیں، تو اس وقت انہوں نے اپنے سابق قول سے رجوع فرمایا اور یہ فرمایا کہ مشقت والے کام میں زیادہ ثواب ہوتا ہے لہٰذا حجِ نفل کرنے میں اس کو زیادہ ثواب ہوگا[1]۔

حجِ نفل پر پانچ سال کی پابندی

لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس سے کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی حجِ نفل کا شوق ہونے کے باوجود اس نقطۂ نظر سے حجِ نفل کو نہ جائے کہ دوسرے وہ لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ حج کو جاتے ہیں ان کو نسبتاً ذرا بہتر موقع مل جائے تو انشاء اللہ اس شخص کو حجِ نفل کے لیے نہ جانے میں بھی وہ ثواب ملے گا جو جانے میں ملتا، اور اب حکومتوں کی طرف سے بھی کچھ پابندیاں عائد ہوگئی ہیں، سعودی حکومت نے یہ پابندی عائد کردی ہے کہ پانچ سال میں صرف ایک مرتبہ حج ادا کیا جائے، یعنی اگر ایک آدمی نے حج ادا کرلیا تو اب اگلا حج پانچ سال سے پہلے نہیں کر

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۶۲۱/۲۔

ے گا، یہ حکومت کی طرف سے پابندی ہے، اور یہ پابندی ناروا پابندی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ حج کے موقع پر ہجوم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ لوگوں کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہوتا ہے، غریب لوگ، اپاہج اور معذور لوگ اس ہجوم کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیفوں کا نشانہ بنتے ہیں، اور بعض اوقات اموات تک واقع ہوجاتی ہیں، اس وجہ سے اگر سعودی حکومت نے پانچ سال تک حج نہ کرنے کی پابندی لگادی ہے تو یہ کوئی ناروا پابندی نہیں ہے۔

اس طرح حج نفل کرنا مناسب نہیں

دوسرے طرف یہ ہے کہ جب ہم کسی ملک میں جاتے ہیں تو اس وقت ہم ان سے معاہدہ کرتے ہیں کہ ہم اس ملک میں رہنے کے دوران یہاں کے قوانین کی پابندی کریں گے، جب تک وہ قانون کسی ناجائز کام پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس قانون کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ لوگ جھوٹا بیان لکھ کر ہم نے پانچ سال کے دوران حج نہیں کیا، اجازت حاصل کر رہے ہیں، یا چوری چھپے قانون کی نگاہوں سے بچ کر حج نفل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ شرعی اعتبار سے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ جھوٹ بول کر، یا قانون شکنی کرکے، یا معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے آدمی حج نفل ادا کرے، یہ کوئی مناسب بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض کیا ہے وہ آپ نے ادا کردیا، پھر جب کبھی پانچ دس سال میں اللہ تعالیٰ دوبارہ حج کی توفیق دے حج نفل بھی انسان ادا کرے، لیکن یہ التزام کہ میں ہر سال حج ادا کروں گا چاہے مجھے

اس کے لیے جھوٹ بولنا پڑے، چاہے اس کے لیے معاہدے کی خلاف ورزی کرنی پڑے، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ اور حج نفل

میں نے آپ کو پہلے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا تھا کہ آپ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے جارہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستے میں ایک قافلہ والوں کی ایک مرغی مرگئی، قافلے والوں نے وہ مرغی کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ قافلہ والوں سے کچھ پیچھے تھے، انہوں نے دیکھا کہ قافلے والے تو اس مرغی کو پھینک کر چلے گئے اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یہ سب دیکھ رہے تھے، بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لیجانے والی لڑکی کون ہے؟ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟

اس سال ہم حج نہیں کریں گے

جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، جو ہمارے گھر میں واحد کمانے

والے تھے، میری والدہ بیوہ ہیں، میں تنہا ہوں، اور لڑکی ذات ہوں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے، ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اس کوڑے میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ کے بندے تو اس حالت میں زندگی گزار رہے ہیں کہ مردار کھا کھا کر گزارا کر رہے ہیں اور میں حج پر جا رہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہمارے پاس ہزار دینار ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لیے جتنے دینار کی ضرورت ہے تقریباً بیس دینار وہ رکھ لو باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور ان دینار سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ ثواب عطا فرمائیں گے، یہ کہہ کر آپ گھر کی طرف واپس لوٹ گئے[1]۔

حدود کے اندر رہ کر عبادت کی جائے

بہرحال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے، حج کی عبادت کی فضیلت اپنی جگہ، اس کی شان وشوکت اپنی جگہ، اس کے فضائل اپنی جگہ، اس کے فوائد اپنی جگہ، لیکن یہ سب حدود کے دائرے ہیں، اور حدود سے متجاوز ہو کر کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ

(۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۶۱۱/۱۳ طبع دار ہجر۔

کے یہاں پسندیدہ نہیں ہوتا، ان حدود کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ ہمیں عبادات کی توفیق عطا فرمائے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا اجر و ثواب ہے اور اس کے بڑے فوائد ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
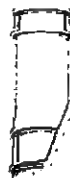
حج کے بارے میں چند گزارشات

(ذکر وفکر ص ۲۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج کے بارے میں چند گزارشات

آج کل حج پر جانے کے خواہش مند حضرات سے درخواستیں وصول کی جارہی ہیں، اس سلسلے میں حج پالیسی کا اعلان ہوچکا ہے اور قواعد وضوابط مشتہر کر دیے گئے ہیں، غالباً ۳۰ نومبر تک حج کی درخواستیں وصول کی جائیں گی، اس موقع پر بعض قارئین نے خط کے ذریعے توجہ دلائی ہے کہ حج کی فرضیت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں، اگر ایک مضمون کے ذریعے ان کا ازالہ کردیا جائے تو مفید ہوگا، اس فرمائش کی تعمیل میں چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔

①..حج کے بارے میں بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے میں کرنے کا کام ہے، لہٰذا جب تک اچھی خاصی عمر نہ گزر جائے، لوگوں کا دھیان ہی نہیں ہوتا کہ اس فریضے کی ادائیگی کرنی چاہیے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حج کا کسی خاص عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس طرح نماز اور روزہ بالغ ہوتے ہی انسان کے ذمے فرض ہوجاتے ہیں اور اگر انسان صاحب نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہوجاتی ہے، اسی طرح بالغ ہونے کے بعد جب بھی کسی شخص کو

اتنی استطاعت حاصل ہو کہ وہ حج کرسکے، اس پر فوراً حج فرض ہوجاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ ''حج ہر اس شخص پر فرض ہے جو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو'' (۱) اس استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے پاس مکہ مکرمہ جانے اور وہاں قیام و طعام وغیرہ کا ضروری خرچ موجود ہو نیز اگر وہ اہل وعیال کو وطن میں چھوڑ کر جارہا ہے تو ان کے ضروری اخراجات انہیں دے کر جاسکے، جب کبھی کسی شخص کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ یہ ضروریات پوری کرسکے، تو اس پر حج کی ادائیگی فرض ہے، اگر اتنا خرچ نقد موجود نہ ہو، لیکن اپنی ملکیت میں اتنا زیور ہو یا فوری ضرورت سے زائد اتنا سامان (مثلاً سامانِ تجارت) ہو کہ اس کی مالیت سے یہ خرچ پورے ہوسکتے ہوں تو اس پر بھی حج فرض ہوجاتا ہے۔

②..جب ایک مرتبہ حج فرض ہوجائے تو پھر اسے کسی شدید عذر کے بغیر ٹلانا یا مؤخر کرنا جائز نہیں، بلا وجہ موخر کرنے سے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ زندہ رہے گا، لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو، یہ فریضہ ادا کرلینا چاہیے۔ آج کل چونکہ اس کام کے لیے درخواست دے کر منظوری لینی پڑتی ہے، اس لیے جس شخص کے ذمے بھی اوپر بیان کیے ہوئے معیار کے مطابق حج فرض ہو، اس پر حج کے لیے درخواست دینا شرعاً ضروری ہے، اگر قرعہ اندازی میں نام نہ آئے یا سرکار کی طرف سے اجازت نہ ملے تو ایک مجبوری ہے اور ان شاء اللہ اس صورت میں درخواست دینے والا حج کو موخر کرنے سے گناہگار نہیں ہوگا، جب

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۹۷)۔
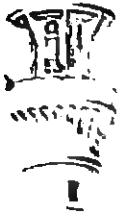
تک وہ ہر سال درخواست دیتا رہے گا، اس کی ذمہ داری پوری ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ اسے اجازت مل جائے اور وہ با قاعدہ حج کرے، لیکن یہ تصور قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے کہ جب عمر بڑی ہوجائے گی اس وقت حج کے لیے درخواست بھیجی جائے گی۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حج کا اصل لطف جوانی ہی میں ہے، اول تو اس لیے کہ حج میں جسمانی مشقت کی ضرورت ہوتی ہے اور حج کے افعال اسی وقت نشاط اور ذوق وشوق کے ساتھ انجام دیے جاسکتے ہیں جب انسان کے قویٰ اچھے ہوں اور وہ اطمینان کے ساتھ یہ محنت برداشت کرسکتا ہو، ورنہ بڑھاپے میں اگرچہ انسان جوں توں حج کرلیتا ہے، لیکن کتنے کام ایسے ہیں جنہیں نشاط، چستی اور حضور قلب کے ساتھ انجام دینے کی حسرت ہی دل میں رہ جاتی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ حج اگر اخلاص اور نیک نیتی سے صحیح طور پر انجام دیا جائے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ایک انقلاب ضرور لے کر آتا ہے، اس سے انسان کے دل میں نرمی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے جو بالآخر گناہوں، جرائم اور بدعنوانیوں سے روکتی ہے، قلب وذہن کی اس تبدیلی کی سب سے زیادہ ضرورت انسان کو جوانی میں ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ جوانی کی رو میں غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقتِ پیری گرگِ ظالم می شود پرہیزگار

پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ جوانی میں ظلم اور گناہ سے توبہ کی جائے، بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔

③..یہ غلط فہمی بھی بہت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے کہ جب تک تمام اولاد کی شادیاں نہ ہوجائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہیے، یہ خیال بھی سراسر غلط ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا اولاد کی شادیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس شخص کو بھی مذکوہ بالا معیار کے مطابق استطاعت ہو اس کے ذمے حج فرض ہوجاتا ہے، خواہ اولاد کی شادیاں ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔

④..بعض گھرانوں میں یہ رواج دیکھنے میں آیا کہ جب تک گھر کا بڑا فرد حج نہ کرلے، اس وقت تک چھوٹے حج کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ بعض گھرانوں میں اس کو ایک عیب سمجھا جاتا ہے، کہ چھوٹا بڑے سے پہلے حج کر آئے، حالانکہ دوسری عبادتوں یعنی نماز، روزے اور زکوۃ کی طرح حج بھی ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر شخص پر انفرادی طور سے عائد ہوتا ہے، خواہ کسی دوسرے نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر گھر کے کسی چھوٹے فرد کے پاس حج کی استطاعت ہے تو اس پر حج فرض ہے۔ اگر بڑے کے پاس استطاعت نہ ہو، یا استطاعت کے باوجود حج نہ کر رہا ہو تو اس سے چھوٹے کا فریضہ ساقط ہوتا ہے، نہ اسے موخر کرنے کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

⑤.. بہت سے گھرانوں میں یہ صورت دیکھنے میں آئی کہ باپ صاحبِ استطاعت نہیں ہے مگر بیٹا صاحب استطاعت ہے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ پہلے میں باپ کو حج کراؤں پھر خود حج کروں، یا اس وقت کا انتظار کروں جب میں باپ کو اپنے ساتھ حج کو لے جاسکوں، یہ طرزِ عمل بھی درست نہیں ہے، اگر چہ باپ کو حج کرانا ایک بڑی سعادت مندی ہے، لیکن اس

سعادت کے حصول کے لیے اپنے فریضے کو موخر کرنا درست نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے رمضان کے مہینے میں باپ بیماری یا ضعیفی کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے، تو بیٹے کے لیے اس بات کا جواز پیدا نہیں ہوتا کہ وہ باپ کی وجہ سے خود اپنے روزے بھی چھوڑ دے اور یہ طے کرلے کہ جب تک باپ روزے رکھنے کے لائق نہ ہو، میں بھی روزے نہیں رکھوں گا۔ جس طرح یہ طرزِ عمل غلط ہے، اسی طرح اپنے حج کو باپ کے حج پر موقوف رکھنا بھی غلط ہے، اپنا فرض ادا کرلینا چاہیے، پھر جب کبھی استطاعت ہو، اس وقت باپ کو حج کرانے کی بھی کوشش کرلینی چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حج ایک عبادت ہے اور وہ اسی طرح ہر شخص پر انفرادی طور سے فرض ہوتی ہے، جیسے نماز، روزہ اور کسی کے ذمہ دوسرے کو نہ حج کرانا فرض ہے اور نہ اپنے حج کی ادائیگی دوسرے کے حج پر موقوف ہے، لہٰذا جن حضرات کے ذمے مذکورہ بالا معیار کے مطابق حج فرض ہوچکا ہے، انہیں حج کی درخواست ضرور دینی چاہیے۔

⑥۔ جن حضرات کی درخواستیں منظور ہوجائیں، انہیں جانے سے پہلے حج کے مکمل احکام و آداب سیکھنے چاہئیں، اس کے لیے ہر زبان میں کتابیں بھی موجود ہیں اور ہمارے ملک میں مختلف حلقوں کی طرف سے حج کے تربیتی کورس بھی منعقد ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنی چاہیے، عموماً درخواست کی منظوری اور حج کے لیے روانگی کے درمیان خاصا طویل وقفہ ہوتا ہے جو حج کے احکام و آداب سیکھنے کے لیے بہت کافی ہے، بہت سے حضرات اس طرف توجہ دیے بغیر حج کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں اور اتنا خرچ اور مشقت اٹھا کر بھی صحیح

طریقے کے مطابق حج کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ بعض حضرات اپنی اس لاعلمی کو اپنی من گھڑت آراء کے پردے میں چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں اور اپنی رائے سے حج کے طریقوں میں خود ساختہ تبدیلیاں بھی کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ہر کام کے لیے کچھ آداب ہیں اور تو اور کھیلوں تک کے آداب اور قواعد مقرر ہیں اور اب تو کھیلوں کے آداب و قواعد مستقل فن کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور کوئی شخص کھیل بھی کھیلنا چاہے تو اسے یہ قواعد سیکھنے پڑتے ہیں اور دل مانے یا نہ مانے، ان کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ حج تو پھر ایک عبادت ہے، بڑی مقدس اور عظیم الشان عبادت، لہٰذا اس کے آداب و احکام سیکھنا اور ان کی پابندی کرنا ضروری ہے، محض اپنی رائے کے بل پر ان قواعد و آداب میں تبدیلی کرنا، اپنی محنت اور پیسے کو ضائع کرنے کے مترادف ہے، اگر اپنی من مانی کرنی ہے تو حج کے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

⑦..حج چونکہ تمام مسلمان اکٹھا ہو کر انجام دیتے ہیں اور حج کے موقع پر انسانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے، اس لیے اس میں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچنے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں، اسی لیے اسلام نے حج کے احکام میں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے، قدم قدم پر ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن کا مقصد لوگوں کو تکلیف سے بچانا ہے، اس غرض کے لیے بہت سے ایسے کاموں کو ترک کرنے کی ہدایت دی گئی ہے جو بذات خود بہت فضیلت رکھتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ صحیح معلومات اور مناسب تربیت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان احکام کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے لیے جان تک کا خطرہ پیدا کر دیتے ہیں،
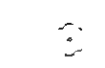
جو کام تھوڑا سا صبر وتحمل پیدا کر کے آرام وسکون کے ساتھ ہو سکتے ہیں ان میں دھکا پیل کی جاتی ہے اور بلا وجہ حج جیسی عبادت کو دھینگا مشتی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات اسلامی احکام کے قطعی خلاف اور سراسر ناجائز ہے، جس سے عبادت کی روح پامال ہوتی ہے، لہٰذا حج کے تربیتی کورسوں اور حج سے متعلق ہدایات میں یہ پہلو خاص طور سے نمایاں کر کے اس پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ وزارتِ مذہبی امور کو بطورِ خاص اس کام پر توجہ دینی چاہیے، حج کی پروازوں میں تمام راستے ایسی تقریریں نشر کی جانی چاہئیں جو عوام کو ان احکام و آداب سے نہ صرف واقف کرائیں بلکہ ان کی اہمیت ان کے ذہن میں اچھی طرح بٹھادیں۔

یکم/ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
۶ / نومبر ۱۹۹۴ء

نہ پہنچ پانے والوں کے لیے حج کی برکتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہ پہنچ پانے والوں کے لیے حج کی برکتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

ماہِ ذی الحجہ کی خصوصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے ذو الحجہ کا مہینہ شروع ہوا ہے اور جیسا کہ اس مہینے کے نام ہی سے ظاہر ہے اس مہینے کی، سب سے اہم خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں حج بیت اللہ کو مشروع فرمایا،

اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں چار دانگِ عالم سے دنیا بھر سے لوگ جوق در جوق بیت اللہ کا سفر کر رہے ہیں اور کچھ ایسا لگتا ہے جیسے بیت اللہ میں کوئی مقناطیس ہے جو چاروں طرف سے انسانوں کو کھینچ رہا ہے جن لوگوں نے وہ منظر دیکھا ہے ان کو اس بات کا احساس ہوگا کہ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو پکار لگائی تھی آج سے پانچ چھ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ[1] کہ لوگوں میں اعلان کروں حج کا اور اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا کہ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کہ لوگ پیدل چل چل کر آئیں گے اور دبلے ہوئے اونٹوں پر چڑھ چڑھ کر آئیں گے اور دور دراز سے آئیں گے تو ہر سال اس کا نظارہ اللہ تبارک وتعالیٰ دکھاتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ إِلَيْهِمْ[2] کہ آپ لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دیجیے کہ کھچ کھچ کر اس کی طرف آئیں۔

بیت اللہ کی خصوصیت

تو اس کا نظارہ بھی ہزارہا سال دنیا دیکھ رہی ہے کہ دنیا کی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں لوگ اتنی کشش کے ساتھ اتنی محبت کے ساتھ اتنی قربانیاں دے کر دھکے کھا کر وہاں پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے جتنی کہ بیت اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں چاروں طرف سے اطرافِ عالم سے لوگ ہیں کھنچے ہوئے چلے جا رہے ہیں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بھی اسی طرح

(۱) سورۃ الحج آیت (۲۷)۔
(۲) سورۃ ابراہیم آیت (۳۷)۔

ہو رہی ہے اور جو اعلان کیا تھا اس کا جواب بھی اس طرح دیا جا رہا ہے سال بھر میں ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ نظارہ ساری دنیا کو دکھاتے ہیں اور لاکھوں انسان میدانِ عرفات میں جمع ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارتے ہیں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں دعائیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں برستی ہیں، عجیب سما ہوتا ہے تو بہت سے خوش نصیب ہمارے بھائی بہن وہ ہیں جو الحمد للہ پہنچ چکے ہیں یا جا رہے ہیں اور اسی ہفتے، اسی عشرے میں ان شاء اللہ یہ عبادت انجام پائے گی اور بہت سے وہ ہیں ہم جیسے، جو وہاں پہنچ نہیں پائے اور حج کی اس عبادت میں شریک نہیں ہو سکے، تو بعض اوقات حسرت ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہو رہے اور ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔

کعبہ نہ پہنچ پانے والے بھی محروم نہیں ہوں گے

تو میرے حضرتِ والا حضرت عارفی قدس اللہ سرہ وہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جو لوگ وہاں جانے کی آرزو رکھتے ہیں اور ان کے دل میں تمنا ہے، لیکن اپنے حالات کی وجہ سے نہیں جا سکے، کوئی اس وجہ سے نہیں جا سکا کہ اتنا خرچہ نہیں برداشت کر سکتا، کوئی اس وجہ سے نہیں جا سکا کہ مختلف مصروفیات نے اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں، کوئی اس وجہ سے نہیں جا سکا کہ اس کے ذمے اور کچھ ذمے داریاں ہیں، جن کو وہ انجام دے رہا ہے۔ تو حضرت فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے کو جو اپنے حالات کی وجہ سے یا مالی وسعت نہ ہونے کی بنا پر وہاں نہیں پہنچ سکا، کیا اس کو اس لیے محروم فرما دیں گے کہ بھئی اس کے پاس پیسے نہیں تھے، تو ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ بدگمانی کسی طرح بھی درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس وجہ سے محروم فرما دیں گے اگر دل میں واقعی آرزو تھی، خواہش ہے لگن ہے اور حالات کی وجہ سے نہیں پہنچ سکا تو ان شاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو محروم نہیں فرمائیں گے اور اس محرومی سے بچانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں ہم لوگوں کے لیے بھی اس عشرے میں کچھ خصوصی احکام عطا فرما دیے ہیں کہ ان احکام کو اگر اس نیت سے بجا لائیں کہ ہم حج تک تو نہیں پہنچ سکے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ احکام ہمیں عطا فرمائے ہیں، تو کچھ بعید نہیں کہ جب رحمت کی گھٹائیں وہاں برسیں گی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فاصلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جب رحمت کی گھٹائیں وہاں برسیں گی تو ان کے چھینٹیں ان شاء اللہ یہاں پر بھی پڑیں گے اور وہ اس طرح کہ کچھ چیزیں ہیں، جو اس زمانے میں کرنے کی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ہم بھی یہاں محروم نہیں رہیں گے۔

عشرہ ذی الحجہ کے خصوصی اعمال

مثلاً ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اس مہینے میں قربانی کرنی ہو اس کو یہ چاہیے کہ ذو الحجہ کے چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال کاٹے نہ اپنے ناخن کاٹے۔ یہ ایک حدیث ہے جو صحیح مسلم (۱) میں مروی ہے کہ جس کو قربانی کرنی ہے واجب قربانی ہو یا نفلی قربانی ہو تو اس کو چاہیے کہ چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال بھی نہ کاٹے اور اپنے ناخن بھی نہ کاٹے

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۵۶۵(۱۹۷۷)۔

یہ ایک حکم آیا ہے اگرچہ تمام فقہاءِ کرام کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے، یعنی ایسا کرنا واجب نہیں فرض نہیں، لیکن مستحب ہے یعنی اگر کوئی شخص اس حکم پر عمل کرے گا تو اس کو اس حکم پر عمل کرنے کا ان شاء اللہ ثواب ملے گا اور اسی وجہ سے علماءِ کرام نے ایک بات بھی فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ناخن کاٹے ہوئے یا مثلاً بغلوں کے بال صاف کیے ہوئے چالیس دن ہو گئے ہوں، تو پھر اسے اس حکم پر عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ چالیس دن کے بعد ناخن کاٹنے کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، ناجائز ہے یا جیسے بغلوں کے بال ہوتے ہیں یا زیرِ ناف کے بال ہوتے ہیں ان کو چالیس دن کے اندر اندر صاف کرنا یہ سنتِ مؤکدہ ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرے تو وہ قابلِ ملامت ہے اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے تو کسی مستحب کی خاطر، مکروہ عمل کرنا درست نہیں ہوتا لہٰذا اگر کسی کو فرض کرو دیر ہوگئی اور چالیس دن گذر گئے تو اس کو اس حکم پر عمل نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر نہیں گزرے تو پھر مستحب ہے کہ وہ بال نہ کاٹے اور ناخن نہ کاٹے۔ اب یہ جو حکم آیا بڑا عجیب سا لگتا ہے، کیوں بال نہ کاٹے؟ کیوں ناخن نہ کاٹے؟

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں

تو میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ اس کی حکمت یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت اس حکم کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی مشابہت ان حاجیوں کے ساتھ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس وقت احرام باندھ کر حج کی نیت سے گئے ہیں جب آدمی احرام باندھتا ہے تو احرام میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ خصوصی پابندیاں عائد فرمائی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ بال نہیں کاٹ سکتا، اس میں یہ بھی ہے کہ خوشبو نہیں

لگا سکتا، اس میں یہ بھی کہ ناخن نہیں کاٹ سکتا، اس میں یہ بھی ہے کہ چہرے کو نہیں ڈھانک سکتا۔ یہ ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں احرام شروع ہوتے ہی، جوں ہی احرام کی نیت کی اور تلبیہ پڑھا تو یہ پابندیاں اس کے اوپر عائد ہو جاتی ہیں، تو میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ہم لوگ جو حج کو نہیں جا سکے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ ایک اشارہ دیا گیا ہے کہ تم اگرچہ حج کو نہیں جا سکے، لیکن حج کو جانے والوں کی تھوڑی سی مشابہت پیدا کرلو وہ مشابہت اس طرح پیدا کرلو کہ وہ اس زمانے میں بال نہیں کاٹ رہے تم بھی نہ کاٹو، وہ ناخن نہیں کاٹ رہے تم بھی نہ کاٹو تو ایک مشابہت پیدا ہو جائے گی ان لوگوں کے ساتھ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجِ بیت اللہ کی سعادت سے نوازا ہے تو تم یہ کہنے کے قابل ہو جاؤ گے کہ ؎

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس صورت کی بدولت بھی نواز دیں گے جب ان کے اوپر رحمت کی گھٹائیں برسیں گی تو ان کا چھینٹا ان شاء اللہ تمہارے اوپر بھی پڑ جائے گا، یہ حکمت ہے اس حکم کی، تو اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں پر رہنے والوں کو حج پر جانے والوں کے ساتھ ایک نسبت اور مشابہت پیدا فرما دی۔

حج کے ماحول کی ایک اور خصوصیت

پھر وہ حضرات وہاں پر جب جاتے ہیں احرام باندھ کر تو یہ منظر دیکھنے کا ہوتا ہے کہ پوری فضاء لبیك اللھم لبیك کی صداؤں سے گونجتی ہوتی ہے تو یہ

تلبیہ لبیك اللهم لبیك تنا پڑھا جاتا ہے، اس زمانے میں کہ چاروں طرف سے یہی صدا بلند ہوتے نظر آتی ہے، جس کو دیکھو یہی پڑھ رہا ہے، فضائیں اس سے گونج رہی ہیں۔ یہاں تک کہ علماءِ کرام نے فرمایا اور ظاہر ہے کہ قرآن و سنّت کی دلائل کی بنیاد فرمایا کہ جب آدمی احرام باندھ لے تو کوئی بھی ذکر لبیك اللهم لبیك سے زیادہ افضل نہیں ہے اس کے لیے سب سے زیادہ افضل ذکر یہ ہے کہ لبیك اللهم لبیك پڑھے اور بلند آواز سے پڑھے، تو ایک حج کے ماحول میں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ساری فضائیں لبیک کی صداؤں سے گونج رہی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مشابہت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے یہاں پیدا فرما دی وہ یہ کہ یہ فرمایا کہ ایامِ تشریق میں یعنی جب نو ذوالحجہ کی تاریخ ہو یعنی عرفہ کا دن، اس کی فجر سے لے کر اور ایامِ ذوالحجہ کے خاتمے تک یعنی تیرا ذوالحجہ کی عصر تک تکبیرِ تشریق واجب کر دی یعنی ہر نماز کے بعد بلند آواز سے

الله أكبر الله أكبر لا اله الا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد

ہر نمازِ فرض کے بعد اور نمازِ عید کے بعد یہ تکبیر ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے، بلکہ امامِ شافعی رحمہ اللہ کے یہاں تو تین مرتبہ واجب ہے، حنفی مسلک میں کم از کم ایک مرتبہ واجب ہے[1]۔

تکبیرِ تشریق واجب ہے

تو یہ تکبیرِ تشریق تو سارے سال نہیں ہوتی اور سارے سال حکم یہ ہے کہ

(۱) الفتاوی الهندية ۱۵۲/۱ طبع دار الفکر بیروت۔

ذکر کرو تو افضل یہ ہے کہ آہستہ کرو، ذکر بالجہر اگرچہ جائز ہے افضل نہیں۔ افضل یہ ہے کہ آدمی ذکر کرے تو آہستہ کرے، دعا میں بھی یہی حکم ہے، دعا کرنی ہو تو آہستگی سے دعا کرنا، یہ افضل ہے بلند آواز سے دعا کرنے کے مقابلے میں، تو ذکر اور دعا یہ دو چیزیں ایسی ہیں، جس میں خفیہ کرنا اور آہستگی سے کرنا اپنے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے ذکر اور دعا کرنا یہ افضل ہوتا ہے، ذکر میں تو وہ بات ہونی چاہیے جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ

"أسمعت من ناجيت"(۱)

میں نے کسی اور کو نہیں سنانا، جس سے میں مناجات کر رہا ہوں جس سے میں فریاد کر رہا ہوں بس اس کو سنا دیا، یہ میرے لیے کافی ہے۔ تو عام حکم یہ ہے، چنانچہ عام نمازیں جو ہم پڑھتے ہیں، اس میں بلند آواز سے نماز کے بعد کوئی ذکر نہیں ہوتا، لیکن یہاں ان پانچ دنوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ بلند آواز سے کہو

الله أكبر الله أكبر لا اله الا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد

تکبیر تشریق کے ذریعہ مشابہت

یہ تکبیرِ تشریق یہ اس طرح ایک مشابہت اور پیدا فرما دی گئی کہ تکبیرِ تشریق

---

(۱) سنن ابی دا ود ۳۷/۲ (۱۳۲۹) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ۴۱۸/۱ (۱۲۸۶): أخرجه مسندًا ومرسلًا، وأخرجه الترمذي، وقال: حديث غريب، وإنما أسنده يحيى بن إسحاق عن حماد بن سلمة، وأكثر الناس إنما رووا هذا الحديث عن ثابت، عن عبد الله بن رباح، مرسلًا، هذا آخر كلامه. ويحيى بن إسحاق هذا هو البجلي السيلحيني، وقد احتج به مسلم في "صحيحه". وقال النووي في "الخلاصة" ۳۹۱/۱ (۱۲۳۵): رواه أبو داود بإسناد صحيح.

کے ذریعے ان لبیک کہنے والوں کے ساتھ تم شریک ہو جاؤ، وہاں بھی دونوں چیزیں چلتی ہیں، لبیک بھی ہوتا ہے ان دنوں میں اور تکبیرِ تشریق بھی ہوتی ہے۔ حضراتِ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو گئے، تو نماز کے بعد کوئی تکبیر کہتا اور کوئی تلبیہ کہتا تھا، لیکن اس کا ایک حصہ ہمیں بھی عطا فرما دیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ تکبیرِ تشریق واجب کر دی، وہ پہلی مشابہت تھی وہ مستحب تھی یہ واجب کر دی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور یہ واجب ہے ہر مسلمان کے ذمے، چاہے مرد ہو یا عورت، جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو یا اکیلے پڑھ رہا ہو، ہر حالت میں واجب ہے۔ اگر فرض کرو جماعت نہیں ملی اکیلا پڑھنا پڑھ گیا کسی کو تو اکیلے نماز میں بھی یہ تکبیر

اَللّٰہُ اَکبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَـر، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ،

اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

پڑھنا واجب ہے اور خواتین کے لیے بھی جو گھر میں نماز پڑھ رہی ہیں ان کے لیے بھی واجب ہے بس اتنا فرق ہے کہ بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے، خواتین کے لیے آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں، ان کے لیے لبیک بھی بلند آواز سے پڑھنا پسندیدہ نہیں، اسی طرح یہاں پر تکبیرِ تشریق بھی آہستہ آواز سے پڑھنا ان کے ذمہ واجب ہے۔

تکبیرِ تشریق کے سلسلے میں خواتین کی ذمہ داری

اور اس معاملے میں اکثر و بیشتر خواتین اس مسئلے سے آگاہ نہیں ہوتیں، اس واسطے ان کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرد لوگ تو

مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں تو اگر ایک آدمی بھول جائے تو پوری جماعت پڑھ رہی ہوتی ہے، یاد آ جاتا ہے۔ خواتین چونکہ گھر میں اکیلے نماز پڑھتی ہیں، اس لیے انہیں یاد دلانے والا کوئی نہیں ہوتا، تو ان کو چاہیے کہ وہ عرفہ کے دن سے یعنی ۹ ذی الحجہ کی صبح سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک اپنے یہاں کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیں کہ یاد آ جایا کریں، اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر لکھ کے لگا لیں تا کہ یاد آ جائے۔

تکبیراتِ تشریق ایامِ تشریق کے ساتھ خاص ہیں

تو یہ تکبیر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں میں مشروع فرمائی اور کہیں سارے سال میں نہیں ہے اور یہ جو تکبیر تشریق ہے یہ نمازوں کے بعد تو واجب ہے اگر کوئی جان بوجھ کر چھوڑے گا تو گناہ ہوگا، لیکن نمازوں کے علاوہ بھی یہ تکبیر کہنا مستحب ہے، یعنی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ تکبیر پڑھنا مستحب ہے، یہ تو اکثر حضرات جانتے ہی ہیں کہ جب نمازِ عید کو جا رہے ہوں تو پھر راستے میں بلند آواز سے یہ تکبیر پڑھتے ہوئے جانا چاہیے وہ بھی مسنون ہے، مستحب ہے، اس کے علاوہ بھی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تکبیر پڑھنا یہ مستحب ہے۔

تکبیراتِ تشریق کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول

بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ صرف ایامِ تشریق ہی میں نہیں، عرفہ کے دن کے بعد ہی نہیں، بلکہ پہلی ذی الحجہ سے ہی یہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے بیان کرنے کے دن ہیں، اس واسطے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یعنی خیر القرون میں ایک معمول یہ تھا جو آج کل ختم ہو گیا کہ لوگ بازاروں میں بھی بلند آواز سے تکبیریں پڑھا کرتے تھے، جا رہے ہیں ایک دوسرے کو دیکھا اور تکبیر پڑھی:

اَللّٰہُ اَکبرُ ،اللّٰہُ اَکبَر ،اللّٰہُ اَکبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ،وَ اللّٰہُ اَکبَرُ ،
اَللّٰہُ اَکبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

کوئی بازار کے اندر دکان پر بیٹھا ہے وہ بیٹھے بیٹھے تکبیر پڑھ رہا ہے کوئی جا رہا تو زبان سے تکبیر پڑھ رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دس دنوں میں تکبیر پڑھنے کا ایک عام رواج تھا۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ جو رواج ہے لوگوں میں کہ وہ تکبیر پڑھتے ہیں بازاروں کے اندر بھی، چلتے پھرتے بھی، اٹھتے بیٹھتے بھی، تو آیا یہ ایسا کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں ضرور کرنا چاہیے، انہوں نے اس کی ترغیب دی اور اس کی بناء پر علماءِ کرام نے فرمایا کہ ان دس دنوں میں بھی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، تکبیر پڑھنا اولیٰ ہے، بہتر ہے اور یہ بہتر کام اب آج کل کچھ مفقود سا ہو گیا ہے، ہم لوگ چھوڑ بیٹھے ہیں یوں تو نہیں کہنا چاہیے کہ سنّت ہے اس واسطے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست ثابت نہیں، لیکن خیر القرون کے اندر، جبکہ صحابہ بھی بہت موجود تھے، تابعین بھی تھے، تبع تابعین بھی تھے، وہ یہ عمل کرتے رہے ہیں اور اس کے اوپر کوئی نکیر نہیں فقہاءِ کرام نے اس کو اولیٰ قرار دیا ہے، اس واسطے ان دس دنوں میں بھی تکبیر کا کثرت سے زبان پر ہو اور بلند آواز سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اچھی بات ہے اور اس کو رواج دینا بہتر ہے۔

ایامِ تشریق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

بلکہ جو ایامِ تشریق ہیں یعنی یومِ عرفہ سے لے کر تیرہ تاریخ تک اس میں تو صحابہ کرام سے ثابت ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو مشہور صحابی ہیں اور اتباعِ سنّت کی تصویر ہیں، ان کا ہر عمل سنّت کے مطابق ہوا کرتا تھا اور لوگ ان کے عمل سے سنّتیں سیکھا کرتے تھے، ان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ نمازوں کے بعد تکبیر کہا کرتے تھے بلکہ کھانا کھا رہے ہیں تو پہلے تکبیر سے آغاز کیا، کھانا کھانے کے بعد تکبیر کہی اپنے خیمے کے اندر رہے اس میں تکبیر کہی یہاں تک کہ بازاروں میں نکلتے تو تکبیر کہتے اور ان کی تکبیر سن کر سارے بازار والے تکبیر کہتے، یہاں تک کہ منیٰ تکبیروں سے گونجنے لگتا تھا(۱)، یہ روایات میں آتا ہے، تو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دنوں کو اپنی شانِ کبریائی کے اظہار کا ایک مظہر بنایا ہے تو ان دنوں میں تکبیر کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کا

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

یہ جو تکبیر کہلوائی جا رہی مختلف اوقات میں یہ بھی ایک طرح سے مشابہت پیدا کی جا رہی ہے ان خوش نصیب لوگوں کے ساتھ، جو لبیك اَللّٰھم لبیك کی صداؤں میں یہ وقت گزار رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کی برکت سے وہ ہمیں بھی ان رحمتوں سے سرفراز فرما دے، جو وہاں

(۱) صحیح البخاری ۲/۲۰ تعلیقا۔

جانے والے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائیں گے، تو دوسری چیز یہ ہے جس کا ان دنوں میں اہتمام کرنا چاہیے۔

عشرۂ ذی الحجہ کا تیسرا عمل

تیسرے یہ جو دس دن آرہے ہیں یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک اب دس ذی الحجہ میں تو روزہ رکھنا حرام ہے تو نو دن سمجھ لو۔ پہلے دن سے لے کر نو دن تک۔ ان کے بارے میں حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

> اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی عملِ خیر، عبادت کا کوئی بھی عمل کسی اور دن میں اتنا محبوب نہیں جتنا ان دنوں میں محبوب ہے۔(۱)

یعنی رمضان کو چھوڑ کہ اس لیے علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ رمضان کے بعد یہ دن جو آرہے ہیں، یہ رمضان کے بعد عبادت کے لیے سب سے افضل زمانہ ہے، ہر قسم کی عبادتوں کے لیے۔ کچھ عبادتوں کی فضیلت تو رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمادی کہ

> ان دنوں میں، (یعنی یکم ذی الحجہ سے لگا کر نو ذی الحجہ تک) ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزے کا ثواب رکھتا ہے اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔(۲)

تو آپ اندازہ کرو کہ چوبیس گھنٹے اس فضیلت میں داخل ہو گئے کہ دن

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۲۰(۹۶۹)۔
(۲) سنن الترمذی ۲/۱۲۲(۷۵۸) وقال ھذا حدیث غریب۔ وسنن ابن ماجہ ۳/۲۱۱(۱۷۲۸)۔

کے اندر روزہ ایک سال کے برابر اور رات کے اندر رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر اور صرف روزے اور رات کی عبادت ہی کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل تلاوت ہو، ذکر ہو، تسبیح ہو، صدقہ خیرات ہو یا کوئی اور بھی نیک عمل ہو، اس کا ثواب ان دنوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی نیک عمل کسی اور زمانے میں اتنا محبوب نہیں، جتنا اس زمانے میں محبوب ہے، لہٰذا یہ رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت کے ایام ہیں اور سب سے زیادہ فضیلت کی راتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا اہتمام کرنے کے لیے تو جتنا جس کو توفیق ہو جائے، روزہ رکھنے کی توفیق ہو نوافل کی توفیق ہو، تلاوت کی ہو، ذکر کی ہو، تسبیح کی ہو، صدقہ خیرات کی ہو، وہ سارے کام اس زمانے کے اندر بہت زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، جن کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی حج کی عبادت کے ثواب سے اور ان کی رحمتوں سے محروم نہیں فرمائیں گے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ دور رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پہنچے گی اور پھر ان میں بھی خاص طور پر عرفہ کا دن ہے، یعنی ۹ ذی الحجہ اس کی خصوصی فضیلت ہے کہ وہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اگر اور دنوں میں نہیں رکھ سکے تو کم از کم عرفہ کے دن آدمی روزہ رکھ لے۔

ذی الحجہ کی راتوں میں عبادت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے

اور رات کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو عام دنوں سے کچھ زیادہ نوافل پڑھ لے، عام دنوں میں تہجد کی توفیق نہیں، ان دنوں میں

اہتمام کرلے۔ آج کل تو راتیں بھی ذرا بڑی ہونے لگی ہیں اور اگر کسی کو آخر شب میں اٹھنے کا موقع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سہولت رکھی ہے۔

معجم طبرانی میں ایک حدیث آئی ہے جس میں نبیٔ کریم ﷺ سے یہ بات منقول ہے کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض کے بعد کسی بھی وقت کوئی بھی نفلی نماز پڑھ لے تو صلوٰۃ اللیل میں لکھی جائے گی [1]۔ یعنی جس وقت آخر رات میں تہجد کا وقت ہوتا ہے، اگر اس وقت نہ پڑھ سکے، تو کم از کم عشاء کے بعد کچھ نفلیں بنیتِ صلوٰۃ اللیل پڑھ لے اور اگر کوئی پہلے سے پڑھتا ہے، تو اس میں کچھ اضافہ کر لے تاکہ اس رات کی فضیلت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بھی حصہ دار بنا دیں۔ یہ خصوصی احکام ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ایام کے لیے رکھیں ہیں۔

چوتھا عمل: قربانی

اور پھر اس کی انتہاء ہوتی ہے قربانی کے اوپر کہ جب دس ذی الحجہ آ گئی تو قربانی کے دن شروع ہو گئے یہاں پر وہی بات ہے کہ حج میں بہت سے حاجی قربانی کر رہے ہیں، جنہوں نے قران یا تمتع کیا، ان کے ذمے قربانی واجب ہے اور جنہوں نے افراد کیا، ان کے ذمے واجب نہیں ہے، لیکن مستحب ہے۔ وہ قربانی کرتے ہیں، وہاں پر تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں تیسری مشابہت یہ عطا فرما دی کہ قربانی کرو۔ وہاں بھی کیا ہوتا کہ قربانی کرنے کے بعد احرام کھلتا

(۱) المعجم الكبير للطبراني ۱/۲۷۱ (۷۸۷) وقال المنذري في "الترغيب" ۱/ ۲٤۳: رواه الطبراني ورواته ثقات إلا محمد بن اسحاق.

ہے، پھر وہ پابندیاں ختم ہوتی ہیں، اب لباس بھی پہن لیتے ہیں، حاجی خوشبو بھی لگا لیتے ہیں اور اپنے بال بھی کاٹ لیتے ہیں اور اپنے ناخن کاٹ لیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی وہ جو مستحب قرار دیا گیا تھا کہ بال نہ کاٹو اور ناخن نہ کاٹو، اس کی انتہاء جا کر قربانی پر ہوتی ہے کہ جب قربانی کر لی تو بال بھی کاٹ سکتے ہیں اور ناخن بھی کاٹ سکتے ہیں، تو یہ ایک اور مشابہت اللہ تعالیٰ نے قربانی کے اندر پیدا فرما دی۔ تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیکھا جائے تو یہ جتنے بھی ایام ہیں، چاہے وہ حاجی ہوں یا غیر حاجی ہوں، ان سب کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کے دروازیں کھولنے کے لیے یہ ایام اور یہ راتیں بنائی ہیں، تو ان سے ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذی الحجہ کا ایک عظیم سبق

پھر ان دس دنوں میں یا بارہ تیرا دنوں میں جو عبادتیں انجام پا رہی ہیں، ان سے ایک اور عظیم سبق ملتا ہے، جو درحقیقت اگر انسان ذہن نشین کر لے تو اس کی دینی کامیابی کی کلید ہے، وہ یہ کہ آپ جتنی عبادتیں دیکھ رہے ہو، اس میں یہ بات نظر آئے گی کہ اگر میں عقل سے سوچوں تو اس عقل کے ترازو میں یہ عبادتیں پوری نہیں اترتی، کہیں حج میں دیکھوں حج میں کیا عبادتیں ہو رہی ہیں کہ بھئی پچیس تیس لاکھ آدمی مکہ مکرمہ سے سفر کر کے منیٰ جا رہے ہیں اور وہاں پر ایک پتھر لگا ہوا ہے، جس کو جمرات کہتے ہیں، اس کو کنکری مار رہے ہیں، صرف ایک پتھر پر سات کنکریاں مارنے کے لیے یہ تیس پینتیس لاکھ آدمی تین دن پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں منیٰ میں اور اس کے اوپر اگر دیکھا جائے تو صرف اس

کام کے لیے کروڑوں اربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے کہ تین دن تک یہ مخلوق جا کر ایک پتھر کو کنکریاں مارے گی، ارے بھئی کیا قصور کیا ہے اس پتھر نے کہ اس کو کنکریاں ماری جا رہی ہیں، تو عقل سے سوچوں تو کوئی اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، بھئی وہ شیطان تھا، جس نے بہکایا تھا، وہ تو اب بھی پتا نہیں کہا پھر رہا ہوگا؟ اور یہ تو ایک پتھر ہے، اس پتھر کے اوپر کنکریاں مار رہی ہے، یہ پوری مخلوق اور یہ کنکریاں مار مار کے خوش ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہاں بھئی مار لی تم نے؟ جس نے مار لی وہ کامیاب ہوگیا، وہ جا کے دوسروں کو بتاتا ہے کہ بھئی میں نے تو مار لیا اور اس غرض کے لیے پورا پچیس تیس لاکھ کا شہر مکہ سے منیٰ منتقل ہوگیا، وہاں پڑاؤ ڈال دیا، وہاں پوری بستی بس گئی، اس کام کے لیے، پوچھو کس کام کے لیے پورا شہر امنڈ گیا یہاں پر، کہ جی کنکر مارنے تھے اس پتھر کو تو بظاہر تو کوئی عقل کی بات نظر نہیں آتی۔

دین درحقیقت اتباع کا نام ہے

لیکن سکھانا یہ مقصود ہے کہ اس عقل کو رکھ دو بالائے طاق، جب ہمارا حکم آجائے تو جس کام کا ہم حکم دے دیں، وہی عقل کے مطابق ہے اور وہی سمجھ کے مطابق ہے، وہی ٹھیک ہے۔ چاہے تمہاری سمجھ میں آ رہا ہو یا نہ آ رہا ہو، تمہاری عقل اس کو قبول کر رہی ہو نہ قبول کر رہی ہو، اس کو اچھا سمجھ رہی یا برا سمجھ رہی ہو، اصل کام جو ہے وہ اللہ جل جلالہ کے حکم کی اتباع ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا تھا مارنے کا ہم ماریں گے اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا اس

کی تعمیل کر رہے ہیں، اس زمانے کی ساری عبادتوں میں آپ کو یہ بات نظر آئے گی، ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے مسجدِ حرام میں آٹھ تاریخ آئی حکم ہوا نکل جاؤ، یہاں سے اور منیٰ کے صحراء میں جا کہ پڑھو نماز وہاں کیا کام ہے، کچھ بھی نہیں، بس پانچ نمازیں وہاں پڑھنی ہیں بھئی کیوں پڑھنی ہیں؟ مسجدِ حرام ہے، کعبہ ہے، اس کے پاس رہ رہے ہیں، نہیں جاؤ یہاں سے اور وہاں جا کر بس پڑاؤ ڈال لو اور پانچ نمازیں وہاں پڑھو تو بتانا یہ مقصود ہے کہ نہ بیت اللہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کعبہ میں کچھ رکھا ہے، اصل جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہم نے کہا تھا کہ مسجدِ حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے، ایک لاکھ نماز کا ثواب ملے گا۔ جب ہم نے کہا کہ چلے جاؤ تو اب تمہارے لیے اس مسجدِ حرام میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور تمہاری فضیلت منیٰ کے صحراء میں ہے وہاں فضیلت حاصل ہو گی، قدم قدم پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات دکھائی ہے۔

اسی کا ایک مظاہرہ ہمارے یہاں قربانی میں ہے کہ قربانی ایک ایسی عبادت ہے کہ بس ان تین دنوں میں انجام پائے گی اور سارے سال قربانی نہیں اور سارے سال اگر آپ بکرا ذبح کرو، تو گوشت صدقہ کر سکتے ہو، لیکن قربانی کی عبادت نہیں، قربانی کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے گلے پر اللہ کے نام پر اللہ کے لیے چھری پھیر دی، قربانی کی عبادت ادا ہو گئی، گوشت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کرنے کا نام ہے۔ بھئی سارا سال پڑا ہوا تھا وہاں پر ہمارے پاس پیسے بھی تھے اس وقت ہم کر لیتے قربانی، اگر سارا سال کرتے رہو تو کوئی قربانی کا ثواب نہیں اور ان دنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ قربانی سے زیادہ فضیلت والا عمل

کوئی اور نہیں [1]، تو اب دنوں کے اندر اگر کر رہے ہو تو وہ عبادت ہے اور دوسرے دنوں میں کرو گے تو کچھ بھی نہیں، بس گوشت ہے، لیکن قربانی نہیں۔ تو یہ سارے احکام اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو عطا فرمائے ان دنوں میں اس میں سبق یہ دینا مقصود ہے کہ اگر مسلمان ہو تو تمہیں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو دینی چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دے دیا کوئی چیز مشروع قرار دے دی تو اس کو بے چون و چرا مان کر اس پر عمل کرو، اس میں عقلی گھوڑے مت دوڑاؤ کہ بھئی ایسا کیوں ہو گیا؟ یہ کیوں حلال ہو گیا؟ یہ کیوں حرام ہو گیا؟ اس کیوں کی فکر میں مت پڑو، بلکہ جو اللہ نے حکم دے دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا اس پر اسی طرح عمل کر لو جس طرح کہا گیا ہے۔

یہ نکتہ اگر ہماری سمجھ میں آجائے کہ دین درحقیقت نام ہے اتباع کا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا، تو بہت سارے خرخشے جو آج کی دنیا میں لوگوں نے ڈالے ہوئے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ حکم ہے بس جو حکم ہے تو اس حکم کی اتباع کرنی ہے۔ کیوں کا سوال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دے اور ان ایام اور راتوں سے اپنی رضا کے مطابق صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) سنن الترمذی ۱۵۹/۳ (۱۴۹۳)۔ وقال هذا حديث حسن غريب، لا نعرفه من حديث هشام بن عروة إلا من هذا الوجه.
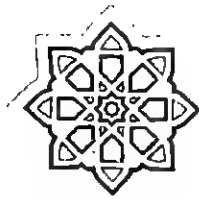
نیک کام میں دیر نہ کیجیے

(اصلاحی خطبات ۱/۶۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیک کام میں دیر نہ کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (۱)

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱۳۳)۔

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

مبادرت الی الخیرات

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے جو باب قائم کیا ہے۔ وہ ہے:

"باب فی المبادرۃ الی الخیرات"(۱)

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنی حقیقت پر غور کرے گا اور اللہ جل جلالہٗ کی عظمتِ شان، اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر غور کرے گا اور اس کی شانِ ربوبیت پر غور کرے گا تو اس غور وفکر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دل مائل ہوگا اور خود بخود دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ جس مالک نے یہ ساری کائنات بنائی ہے اور جس مالک نے یہ نعمتیں مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور جس مالک نے مجھے رحمتوں کی بارش میں رکھا ہے، اس مالک کا بھی مجھ پر کوئی حق ہوگا؟ جب یہ داعیہ اور میلان پیدا ہو، اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

اس سوال کے جواب کے لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو اور نیک کام کرنے کا محرک سامنے آئے تو اس وقت ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ جلد از جلد اس نیک کام کو کرلے۔ اس میں دیر نہ لگائے۔ یہی معنی ہیں "مبادرۃ" کے یعنی کسی کام کو جلدی سے کرلینا، ٹال مٹول نہ کرنا اور آئندہ کل پر نہ ٹالنا۔

---

(۱) ریاض الصالحین ص ۶۳ طبع موسسہ الرسالہ۔

نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے یہ آیتِ کریمہ لائے ہیں کہ

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (١)

تمام انسانیت کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ

اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جلدی سے دوڑو، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے اور وہ متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

''مسارعت'' کے معنی ہیں جلد سے جلد کوئی کام کرنا، دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا کہ

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (٢)

یعنی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب کسی نیک کام کا ارادہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔

---

(١) سورۃ آل عمران آیت (١٣٣)۔
(٢) سورۃ البقرۃ آیت (١٤٨)۔

شیطانی داؤ

اس لیے کہ شیطان کے داؤ اور اس کے حربے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں، کافر کے لیے اور ہیں، مؤمن کے لیے اور ہیں۔ مؤمن کے دل میں شیطان یہ بات نہیں ڈالے گا کہ یہ نیکی کا کام مت کیا کرو، یہ بُرے کام ہیں۔ یہ بات براہِ راست اس کے دل میں نہیں ڈالے گا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحبِ ایمان ہونے کی وجہ سے نیکی کے کام کو بُرا نہیں سمجھ سکتا، لیکن مؤمن کے ساتھ اس کا یہ حربہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ کہتا ہے کہ یہ نماز پڑھنا، یہ فلاں نیک کام کرنا تو اچھا ہے، اس کو کرنا چاہیے، لیکن ان شاء اللہ کل سے شروع کریں گے۔ اب جب کل آئے گی تو پھر یہ کہے گا اچھا بھائی! کل سے شروع کروں گا تو وہ کل کبھی زندگی بھر نہیں آئے گی یا کسی اللہ والے کی بات دل میں اثر کرگئی کہ یہ بات تو صحیح ہے، عمل کرنا چاہیے اپنی زندگی میں تبدیلی لانی چاہیے، گناہوں کو چھوڑنا چاہیے، نیکیوں کو اختیار کرنا چاہیے، لیکن ان شاء اللہ اس پر جلد از جلد عمل کریں گے، جب اس کو ٹلا دیا تو پھر کبھی اس پر عمل کی نوبت نہیں آئے گی۔

عمرِ عزیز سے فائدہ اُٹھالو

اسی طرح زندگی کے اوقات گزرتے جارہے ہیں۔ عمرِ عزیز گزرتی جارہی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ کتنی عمر باقی ہے؟ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ کل پر مت ٹالو، جو داعیہ اس وقت پیدا ہوا ہے اس پر اسی وقت عمل کرو، کیا معلوم کہ کل تک یہ داعیہ رہے یا نہ رہے۔ اوّل تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تم خود زندہ رہو یا نہ رہو

اور اگر تم خود زندہ رہو تو یہ پتہ نہیں کہ یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر داعیہ باقی رہا تو کیا معلوم کہ اس وقت حالات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ بس! اس وقت جو داعیہ پیدا ہوا ہے اس پر عمل کر کے فائدہ حاصل کرلو۔

نیکی کا داعیہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے

یہ داعیہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مہمان ہے، اس مہمان کی خاطر مدارت کرلو، اس کی خاطر مدارت یہ ہے کہ اس پر عمل کرلو، اگر نفل نماز پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ سوچا کہ یہ فرض و واجب تو ہے نہیں۔ اگر نہیں پڑھیں گے تو کوئی گناہ تو ہوگا نہیں چلو چھوڑو۔ یہ تم نے اس مہمان کی ناقدری کردی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری اصلاح کی خاطر بھیجا تھا۔ اگر تم نے اسی وقت فوراً عمل نہ کیا تو پیچھے رہ جاؤ گے، پھر معلوم نہیں کہ دوبارہ مہمان آئے یا نہ آئے بلکہ وہ آنا بند کردے گا، کیونکہ وہ مہمان یہ سوچے گا کہ یہ شخص میری بات تو مانتا نہیں اور میری ناقدری کرتا ہے، میری خاطر مدارت نہیں کرتا، میں اب اس کے پاس نہیں جاتا اس طرح دل میں نیکی کا داعیہ پیدا ہونا ہی بند ہوجائے گا۔ بہر حال! ویسے تو ہر کام میں جلدی اور عجلت کرنا بُرا ہے، لیکن جب دل میں کسی نیک کام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہو تو اس پر جلدی عمل کرلینا ہی اچھا ہے۔
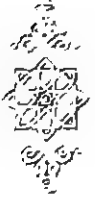
فرصت کے انتظار میں مت رہو

اگر اپنی اصلاح کی فکر کا دل میں خیال آیا کہ زندگی ویسے ہی گزری جارہی ہے، نفس کی اصلاح ہونی چاہیے اور اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہونی چاہیے، لیکن ساتھ ہی یہ سوچا کہ جب فلاں کام سے فارغ ہوجائیں گے،

پھر اصلاح شروع کریں گے، یہ فرصت کے انتظار میں عمرِ عزیز کے جو لمحات گزر رہے ہیں، وہ فرصت کبھی آنے والی نہیں ہے۔

کام کرنے کے بہترین گُر

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ

> ''جو کام فرصت کے انتظار میں ٹال دیا، وہ ٹل گیا، وہ پھر نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ تم نے اس کو ٹال دیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو گھسا دو، یعنی وہ دو کام جو تم پہلے سے کر رہے ہو، اب تیسرا کام کرنے کا خیال آیا تو ان دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی گھسا دو، وہ تیسرا کام بھی ہوجائے گا اور اگر یہ سوچا کہ ان دو کاموں سے فارغ ہوکر پھر تیسرا کام کریں گے تو پھر وہ کام نہیں ہوگا۔ یہ منصوبے اور پلان بنانا کہ جب یہ کام ہوجائے گا تو پھر کام کریں گے یہ سب ٹالنے والی باتیں ہیں۔ شیطان عموماً اسی طرح دھوکے میں رکھتا ہے۔''

نیک کاموں میں ریس لگانا بُرا نہیں

اس لیے ''مبادرت الی الخیرات'' یعنی نیک کاموں میں جلدی کرنا اور آگے بڑھنا قرآن و سنّت کا تقاضا ہے اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے لیے یہ باب

قائم فرمایا ہے "باب المبادرة الی الخیرات" یعنی بھلائیوں کی طرف جلدی سے سبقت کرنا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو لفظ استعمال کیے ہیں: ایک "مبادرت" یعنی جلدی کرنا۔ دوسرا "مسابقت" یعنی مقابلہ کرنا، ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اور یہ مقابلہ کرنا اور ریس لگانا نیکی کے معاملے میں محبوب ہے، لیکن دوسری چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا بُرا ہے۔ جیسے مال کے حصول میں، عزت کے حصول میں، شہرت کے معاملے میں، دنیا کے حصول میں، جاہ طلبی کے معاملے میں، ان سب میں یہ بات بُری ہے کہ انسان دوسرے سے آگے بڑھنے کی حرص میں لگ جائے، لیکن نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ایک محمود اور قابلِ تعریف جذبہ ہے۔ قرآنِ کریم خود کہہ رہا ہے کہ

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ [1]

نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص کو تم دیکھ رہے ہو کہ ماشاء اللہ عبادت میں لگا ہوا ہے طاعات میں لگا ہوا ہے، گناہوں سے بچ رہا ہے، اب کوشش کرو کہ میں اس سے زیادہ آگے بڑھ جاؤں، اس میں ریس لگانا بُرا نہیں۔

دنیاوی اسباب میں ریس لگانا جائز نہیں

یہاں معاملہ اُلٹا ہوگیا ہے، اس وقت ہماری پوری زندگی ریس لگانے میں گزر رہی ہے، لیکن ریس اس میں لگ رہی ہے کہ پیسہ زیادہ سے زیادہ کہاں

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۴۸)۔

سے آجائے، دوسرے نے اتنا کمالیا، میں اس سے زیادہ کمالوں۔ دوسرے نے ایسا بنگلہ بنالیا، میں اس سے اعلیٰ درجے کا بنالوں، دوسرے نے ایسی کار خریدی، میں اس سے اعلیٰ درجے کی خریدلوں، دوسرے نے ایسا ساز و سامان جمع کرلیا میں اس سے اعلیٰ درجے کا جمع کرلوں۔ پوری قوم اسی ریس کے اندر مبتلا ہے اور اس ریس میں حلال وحرام کی فکر مٹ گئی ہے، اس لیے کہ جب دماغ پر یہ جذبہ سوار ہوگیا کہ دنیاوی ساز و سامان میں دوسرے سے آگے بڑھنا ہے، تو حلال مال کے ذریعے آگے نکلنا تو بڑا مشکل ہے، تو پھر حرام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اب حلال وحرام ایک ہورہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس چیز میں ریس لگانا اور مقابلہ کرنا شرعاً بُرا تھا وہاں سب مقابلے پر لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں اور جس چیز میں مقابلہ کرنا، ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرنا مطلوب تھا اس میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

تبوک کے موقع پر حضرت عمر کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے مقابلہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھیے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر انہوں نے کیا کیا؟ غزوۂ تبوک بڑا کٹھن غزوہ تھا۔ ایسا صبر آزما غزوہ اور ایسی صبر آزما مہم شاید کوئی اور پیش نہیں آئی جیسی غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آئی، سخت گرمی کا موسم، وہ موسم جس میں آسمان سے شعلے برستے ہیں، زمین آگ اُگلتی ہے اور تقریباً بارہ سو کلومیٹر کا صحرائی سفر اور کھجوریں پکنے کا زمانہ، جس پر سارے سال کی معیشت کا دارومدار ہوتا ہے، سواریاں میسر نہیں، پیسے موجود نہیں اور اس وقت میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نفیر عام ہے کہ وہ اس

غزوے میں چلے اور اس میں شریک ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد نبوی میں کھڑے ہوکر اعلان فرمایا کہ یہ غزوے کا موقع ہے اور سواریوں کی ضرورت ہے، اونٹنیاں چاہئیں، پیسوں کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ بڑھ چڑھ کر اس میں چندہ دیں اور جو شخص اس میں چندہ دے گا، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب صحابہ کرام کہاں پیچھے رہنے والے تھے، جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے یہ جملہ سن لیں کہ ان کے لیے جنت کی ضمانت ہے، اب ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا اور میں نے اپنے گھر کا جتنا کچھ ساز و سامان اور روپیہ پیسہ تھا وہ آدھا آدھا تقسیم کردیا اور پھر آدھا حصہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں چلا گیا اور دل میں خیال آنے لگا کہ آج وہ دن ہے کہ شاید میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے نکل جاؤں۔ یہ جو جذبہ پیدا ہورہا ہے کہ میں ان سے آگے بڑھ جاؤں یہ ہے ''مسابقت الی الخیرات'' مگر کبھی ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پیسے میں آگے بڑھ جاؤں، کبھی یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس بہت پیسے ہیں، ان سے زیادہ پیسے مجھے حاصل ہوجائیں، لیکن یہ جذبہ پیدا ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا جو مقام بخشا ہے، ان سے آگے بڑھ جاؤں۔ تھوڑی دیر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور جو کچھ تھا حاضر کردیا۔ نبی اکرم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: ''اے عمر گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آدھا مال گھر والوں کے لیے

چھوڑ دیا اور آدھا غزوہ کے لیے اور جہاد کے لیے لے آیا ہوں۔" آپ ﷺ نے ان کو دعائیں دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے۔اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کہ تم نے اپنے گھر میں کیا چھوڑا؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں، جو کچھ گھر میں تھا سارا کا سارا سمیٹ کر یہاں لے آیا ہوں۔" حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے پتہ چلا کہ میں چاہے ساری عمر کوشش کرتا رہوں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا(۱)۔

ایک مثالی معاملہ

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "آپ میرے ساتھ ایک معاملہ کریں تو میں بڑا احسان مند ہوں گا۔" انہوں نے پوچھا: "کیا معاملہ؟" فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میری ساری عمر کی جتنی نیکیاں ہیں، جتنے اعمال صالحہ ہیں، وہ سب مجھ سے لے لیں اور وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری اس کا ثواب مجھے دے دیں(۲)۔ (یعنی وہ ایک رات جو آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے

---

(۱) سنن أبی داود ۱۲۹/۲ (۱۶۷۸) وسنن الترمذی ۵۲/۶ (۳۶۷۵) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

(۲) موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام ۳۳/۲ (المكتبة الشاملة) اور اس جیسا واقعہ مستدرک حاکم ۷/۳ (۴۲۶۸) پر بھی ہے اس کے بارے میں حاکم نے فرمایا هذا حديث صحيح الإسناد على شرط الشيخين، لولا إرسال فيه ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص". از مرتب عفی عنہ۔

ساتھ غارِ ثور میں گزاری، وہ میرے سارے اعمال پر بھاری ہے)۔''

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی کو دیکھیں تو کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ یہ سوچیں کہ فلاں نے اتنے پیسے جمع کر لیے، میں بھی جمع کرلوں۔ فلاں کا مکان بڑا شاندار ہے، میرا بھی ویسا ہوجاتا۔ فلاں کی سواری بہت اچھی ہے، ویسی مجھے بھی مل جاتی، لیکن اعمالِ صالحہ میں مسابقت نظر آتی ہے اور آج ہمارا معاملہ بالکل اُلٹا چل رہا ہے، اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھنے کی کوئی فکر نہیں اور مال کے اندر صبح سے لے کر شام تک دوڑ ہورہی ہے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہیں۔

ہمارے لیے نسخۂ اکسیر

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب ارشاد فرمایا جو ہمارے لیے نسخۂ اکسیر ہے۔ فرمایا کہ

> ''دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اپنے سے کمتر حیثیت والوں کے ساتھ رہو، اُن کی صحبت اختیار کرو اور ان کے حالات کو دیکھو اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو اور ان کی صحبت اختیار کرو۔''(۱)

کیوں؟ اس لیے کہ جب دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو

---

(۱) صحیح مسلم ۲۲۷۵/۴ (۲۹۶۳)۔

گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھی ہے اور اس سے قناعت پیدا ہوگی، شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا اور دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھوگے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اس وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے راحت حاصل کی؟

حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جو محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، صوفی بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

> میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مالداروں کے ساتھ گزارا (خود بھی مالدار تھے) صبح سے شام تک مالداروں کے ساتھ رہتا تھا، لیکن جب تک مالداروں کی صحبت میں رہا، مجھ سے زیادہ غمگین انسان کوئی نہیں تھا، کیونکہ جہاں جاتا، یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے، اس کی سواری میری سواری سے اچھی ہے، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کڑھن پیدا ہوتی تھی کہ مجھے تو ملا نہیں اور اس کو مل گیا، لیکن بعد میں دنیاوی حیثیت سے جو کم مال والے تھے اُن کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے لگا تو

فرماتے ہیں کہ ''فاسترحت'' یعنی میں راحت میں آ گیا۔ اس واسطے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت خوشحال ہوں، میرا کھانا بھی اس کے کھانے سے اچھا ہے، میرا کپڑا بھی اس کے کپڑے سے اچھا ہے، میرا گھر بھی اس کے گھر سے اچھا ہے، میری سواری بھی اس کی سواری سے اچھی ہے، اس واسطے میں اب الحمدللہ راحت میں آ گیا ہوں[1]۔

ورنہ کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی برکت ہے، کوئی شخص تجربہ کر کے دیکھ لے۔ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھتے رہو گے تو کبھی پیٹ نہیں بھرے گا کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی کبھی آنکھوں کو سیری نصیب نہیں ہوگی ہر وقت یہی فکر ذہن پر سوار رہے گی جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''لو كان لابن آدم واديا من ذهب احب ان يكون له واديان''[2]

''اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں۔''

(۱) سنن الترمذی ۳۷۷/۳ وتفسیر ابن ابی حاتم ۴۴۷/۲ وحلیہ الاولیاء لابی نعیم ۲۴۲/۴۔
(۲) صحیح البخاری ۹۳/۸ (۶۴۳۹)۔

اور جب دو مل جائیں گی تو چاہے گا کہ تین مل جائیں اور اسی طرح پوری زندگی اسی دوڑ میں صرف ہوجائے گی اور کبھی راحت کی منزل پر، قناعت اور سکون کی منزل پر پہنچ نہیں پائے گا۔

مال و دولت کے ذریعے راحت نہیں خریدی جاسکتی

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا اچھی بات فرمایا کرتے تھے، لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ

> ''راحت اور آرام اور چیز ہے اور اسباب راحت اور چیز ہے۔ اسبابِ راحت اللہ جل جلالہٗ کا عطیہ ہے اور ہم نے آج اسبابِ راحت کا نام راحت رکھ دیا ہے۔ بہت سارا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اس کو کھالے گا؟ کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہوگی تو اسی کو پہن لے گا؟ کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اس کو ٹھنڈک پہنچاسکے گا؟ بذاتِ خود نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے تم راحت خرید سکتے ہو اور اگر اس کے ذریعے تم نے اسبابِ راحت خرید بھی لیے، مثلاً آرام کے خاطر تم نے اس کے ذریعے کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں، اچھے کپڑے خرید لیے گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا، لیکن کیا راحت حاصل ہوگئی؟ یاد رکھو! محض ان اسباب کو جمع کرلینے سے راحت کا مِل جانا کوئی ضروری نہیں، اس لیے کہ ایک شخص کے پاس

راحت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی، بستر آرام دہ، ایئرکنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی کچھ موجود ہیں، لیکن نیند نہیں آرہی ہے۔ اب بتاؤ! اسبابِ راحت سارے موجود، لیکن نیند ملی؟ راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پر نہ تو پکی چھت ہے، بلکہ ٹین کی چادر ہے، نہ چارپائی ہے، بلکہ فرش پر سورہا ہے، لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا اور سیدھا نیند کی آغوش میں چلا گیا اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح کو بیدار ہوا۔ بتاؤ! راحت اُس کو ملی یا اس کو ملی؟ اُس کے پاس اسبابِ راحت موجود تھے، لیکن راحت نہیں ملی اور اس مزدور کے پاس اسبابِ راحت موجود نہیں تھے، لیکن راحت مل گئی۔ یاد رکھو! اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے تو خوب سمجھ لو کہ اسبابِ راحت تو جمع ہوجائیں گے، لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہوگی۔‘‘

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھاسکے

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ کے زمانے میں ایک صاحب تھے، بہت بڑے مل اونر اور ان کا کاروبار یہاں صرف پاکستان میں ہی نہیں تھا، بلکہ مختلف ممالک میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن ویسے ہی والد صاحب نے پوچھا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا

سنگاپور میں ہے، ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے، سب دوسرے ملکوں میں ہیں۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ کی لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہوگی وہ آتے جاتے رہتے ہوں گے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے ۱۵ سال ہوگئے ہیں۔ ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی اور بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ تو اب بتاؤ ایسا روپیہ اور ایسی دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل بھی نہ دکھا سکے اور باپ کو اولاد کی شکل نہ دکھا سکے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ اسباب راحت کے لیے ہورہی ہے، لیکن راحت مفقود ہے۔ اس لیے یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعے نہیں خریدی جاسکتی۔

پیسے سے ہر چیز نہیں خریدی جاسکتی

ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ رمضان میں عمرے کو تشریف لے گئے اور ایک اور صاحب دولتمند بھی عمرے کو جارہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ عمرے کو جارہے ہو، پہلے سے ذرا انتظام کرلینا تاکہ رہنے کے لیے اور کھانے پینے کے لیے صحیح انتظام ہوجائے۔ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ارے میاں! چھوڑو انتظام وغیرہ اللہ کا شکر ہے پیسے بہت موجود ہیں، پیسے سے دنیا کی ہر چیز مل جاتی ہے، آرام دہ رہائش بھی مل جاتی ہے، کھانا بھی مل جاتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں، ہمارے پاس پیسہ خوب ہے، دس ریال کی جگہ بیس ریال خرچ کردیں گے۔ وہی صاحب بتارہے تھے کہ میں نے دو دن کے بعد دیکھا تو حرم شریف کے دروازے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگے سحری میں اُٹھے تھے، لیکن ہوٹل میں کھانا نہیں ملا، ختم ہوگیا تھا۔ دماغ میں گھمنڈ تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے،

اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھادیا کہ دیکھوا پیسہ تمہاری جیب میں رکھا رہ گیا اور روزہ بغیر سحری کے رکھا۔

سکون حاصل کرنے کا راستہ

یہ پیسہ یہ ساز و سامان یہ مال و دولت جو کچھ تم جمع کر رہے ہو، یہ بذاتِ خود راحت دینے والی چیز نہیں ہے، راحت پیسے سے خریدی نہیں جاسکتی، وہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جب تک قناعت پیدا نہیں ہوگی اور جب تک یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقے سے جتنا مجھے دے رہے ہیں اسی سے میرا کام چل رہا ہے، اس وقت تک تمہیں سکون حاصل نہیں ہوگا۔ ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت بے حد و حساب ہے، لیکن ایک لمحے کا سکون نہیں۔ ایک لمحے کا قرار نہیں، رات کو نیند نہیں آتی اور بھوک اُڑی ہوئی ہے۔ یہ سب اس دنیا کی دوڑ کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے آدمی کو نہ دیکھو کہ وہ کہاں جارہا ہے، بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو کہ ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعے تمہیں قرار آئے گا۔ تمہیں راحت ملے گی اور سکون حاصل ہوگا، لیکن دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھو، کیوں؟ اس لیے کہ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی بے تابی ہوگی، لیکن یہ بے تابی بڑی لذیذ بے تابی ہے اور اس کے مقابلے میں دنیا جمع کرنے کی بے تابی اور بے چینی تکلیف دہ ہے، وہ پریشان کن ہے، وہ راتوں کی نیند اُڑادیتی ہے، وہ بھوک اُڑادیتی ہے، لیکن دین کے لیے جو بے تابی ہوتی ہے وہ بڑی مزیدار ہے، بڑی لذیذ ہے۔

اگر انسان ساری عمر اس بے تابی میں رہے تب بھی وہ لذت میں رہتا، راحت اور سکون میں رہے گا، لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیہ اُلٹا چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے اور جو راستہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی سلسلے میں آگے یہ حدیثیں آرہی ہیں۔

فتنے کا زمانہ آنے والا ہے

یہ پہلی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن رسول اللهﷺ قال: «بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا، ويمسي مؤمنا ويصبح كافرا، يبيع دينه بعرض من الدنيا». (۱)

فرمایا کہ (نیک) عمل جلدی جلدی کرلو، جتنا وقت مل رہا ہے اس کو غنیمت جانو، کیوں؟ اس لیے کہ بڑے فتنے آنے والے ہیں، ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیری رات شروع ہوتی ہے اور اس کا ایک حصہ گزر جاتا ہے تو اس کے بعد آنے والا دوسرا حصہ بھی رات ہی کا حصہ ہوتا ہے اور اس میں تاریکی اور بڑھتی چلی جاتی ہے اور پھر تیسرے حصے میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے۔ اب اگر آدمی اس انتظار میں رہے کہ ابھی مغرب کا وقت ہے، تھوڑی سی تاریکی ہے، کچھ وقت گزرنے کے بعد روشنی

---

(۱) صحیح مسلم ۱/۱۱۰(۱۱۸) و ریاض الصالحین ۶۳(۸۷).

ہوجائے گی اس وقت کام کروں گا تو وہ شخص احمق ہے۔ اس واسطے کہ اب جو وقت گزرے گا تو اور زیادہ تاریکی کا وقت آئے گا، لہٰذا سرکارِ دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہے کہ اور تھوڑا سا وقت گزر جائے پھر کام شروع کروں گا تو یاد رکھو! کہ اور وقت جو آنے والا ہے وہ زیادہ تاریکی والا ہے، آئندہ جو فتنے آنے والے ہیں وہ بھی اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں کہ ہر فتنے کے بعد بڑا فتنہ آنے والا ہے۔

پھر آگے فرمایا کہ صبح کو انسان مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوجائے گا۔ یعنی ایسے فتنے آنے والے ہیں جو انسان کے ایمان کو سلب کرلیں گے، صبح کو مؤمن بیدار ہوا تھا، لیکن فتنے کا شکار ہوکر شام کے وقت کافر ہوگیا اور شام کو مؤمن تھا صبح کو کافر ہوگیا اور یہ کافر اس طرح ہوجائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے ساز و سامان کے بدلے میں بیچ ڈالے گا۔ صبح کو مؤمن اُٹھا تھا اور جب کاروبارِ زندگی میں پہنچا تو فکر لگی ہوئی تھی دنیا جمع کرنے کی، مال و دولت جمع کرنے کی اور اس دوران مال حاصل کرنے کا ایک ایسا موقع سامنے آیا جس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ دین چھوڑو تو تمہیں دنیا مل جائے گی۔ اب اس وقت دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ اپنے دین کو چھوڑ کر یہ مال حاصل کرلوں یا اس مال پر لات مار کر دین کو اختیار کرلوں، لیکن چونکہ دین کے بارے میں باز پرس معلوم نہیں کب ہوگی؟ کب مریں گے؟ اور کب حشر ہوگا؟ کب ہمارا حساب و کتاب ہوگا؟ وہ تو بعد کی بات ہے، ابھی فوری معاملہ تو یہ ہے کہ یہ مال حاصل کرلو۔ اب وہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ اس لیے فرمایا کہ صبح کو مؤمن اُٹھا تھا، شام کو کافر ہوکر سویا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین

''ابھی تو جوان ہیں'' شیطان کا دھوکہ ہے

لہٰذا کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اگر نیک عمل کرنا ہے اور مسلمان کی طرح زندہ رہنا ہے تو انتظار کس چیز کا؟ جو عمل کرنا ہے بس جلدی کرلو۔ اب ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے دلوں میں دن رات یہ خیال آتا رہتا ہے کہ اچھا اب نیک عمل کریں گے اور شیطان یہ دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے، ابھی تو نوجوان ہیں، ابھی تو اُدھیڑ عمر کو پہنچیں گے اور پھر بوڑھے ہوں گے پھر اس وقت نیک اعمال شروع کردیں گے۔ نبی کریم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو حلیم ہیں اور ہماری رگوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ شیطان ان کو اس طرح بہکائے گا۔ اس لیے فرمادیا کہ جلدی جلدی نیکیاں کرلو اور جو نیک کاموں کی باتیں سن رہے ہو، اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ کل کا انتظار مت کرو۔ اس لیے کہ کل آنے والا فتنہ معلوم نہیں تمہیں کہاں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

نفس کو بہلا کر اور دھوکہ دے کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکہ دے کر اس سے کام لیا کرو۔ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا۔ آخر عمر اور ضعف کے زمانے میں ایک دن بحمداللہ تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سُستی اور کسل تھا۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں، کسل بھی ہے اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے پڑے رہو اور آج اگر

تہجد چھوڑ دو گے تو کیا ہوجائے گا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد فرض وواجب بھی نہیں ہے اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، باقی یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث میں آتا ہے جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے[1]، ایسے وقت کو بے کار گزارنا بھی ٹھیک نہیں ہے، نفس کو بہلا دیا کہ اچھا ایسا کرو کہ اُٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعا کرلو اور دعا کر کے سوجانا، چنانچہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرنی شروع کردی، دعا کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اُٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی، اب غسل خانے تک چلے جاؤ اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ، پھر آرام سے آکر لیٹ جانا۔ پھر غسل خانے پہنچا اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوگیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کرلو، اس لیے کہ وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے، چنانچہ وضو کرلیا اور بستر پر واپس آکر بیٹھ گیا اور دعا شروع کردی پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر دعا ہورہی ہے، دعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے وہیں جا کر دعا کرلو اور نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا، اور جا کر جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس نفس کو تھوڑا سا دھوکہ دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو اور اس کو کھینچ کھینچ کر لے جایا کرو، ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرمادیں گے۔

---

(۱) صحيح البخاری ۲/۵۳ (۱۱۴۵)۔

اگر اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام آجائے

ایک مرتبہ فرمایا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد ۲ گھنٹے تک اپنے معمولات، تلاوت، ذکر واذکار اور تسبیح میں گزارتا ہوں۔ ایک دن طبیعت میں کسل ہے، سستی ہے، اُٹھا نہیں جاتا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام لے کر آئے کہ آپ کو کوئی انعام دینے کے لیے بلایا گیا ہے تو کیا پھر بھی سستی باقی رہے گی؟ پھر بھی کسل باقی رہے گا؟ نفس نے جواب دیا کہ نہیں اس وقت تو کسل اور سستی باقی نہیں رہے گی، بلکہ دوڑے دوڑے جائیں گے اور جا کر انعام وصول کرنے کی کوشش کریں گے اور پھر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ وقت بھی اللہ جل جلالہ کے دربار میں حضوری کا وقت ہے اور حضوری کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے انعامات وصول کرنے کا وقت ہے، پھر کہاں کی سستی اور کہاں کا کسل۔ چھوڑو اس کسل اور سستی کو۔ بس یہ سوچ کر اپنے دل کو بہلایا اور اپنے معمولات میں مشغول ہوگیا۔ بہرحال یہ نفس اور شیطان تو انسان کو بہکانے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کو بھی بہلایا کرو اور جلدی سے ان اعمال کو کرنے کی فکر کیا کرو۔

جنت کا سچا طلبگار

دوسری حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ

"غزوۂ احد کی لڑائی کے دوران جبکہ معرکہ گرم ہے، مسلمان اور کافروں کی لڑائی ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیادت

فرمار ہے ہیں، مسلمان کم ہیں اور کافر زیادہ ہیں۔ مسلمان بے سروسامان ہیں اور کافر مسلح ہیں اور ہر لحاظ سے معرکہ سخت ہے۔ اس وقت میں ایک دیہاتی قسم کا آدمی کھجوریں کھاتا جارہا تھا اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ لڑائی جو آپ کروار ہے ہیں اس میں اگر ہم قتل ہوگئے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کا انجام جنت ہے، سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کھجوریں کھاتا جارہا ہے، لیکن جب اس نے یہ سنا کہ اس کا انجام جنت ہے تو کھجوریں پھینک کر سیدھا لڑائی میں گھس گیا، یہاں تک کہ اسی میں شہید ہوگیا۔''(۱)

اس لیے کہ جب اس نے سن لیا کہ اس جہاد کا انجام جنت ہے تو پھر اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کی کہ وہ ان کھجوروں کو پورا کرکے پھر جہاد میں شریک ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت کے مقام تک پہنچادیا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ نیکی کا جو داعیہ پیدا ہوا اس پر عمل کرنے میں تاخیر نہیں کی بلکہ فوراً آگے بڑھ کر اس پر عمل کرلیا۔

اذان کی آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ

(۱) صحیح البخاری ۹۵/۵ (۴۰۴۶) وصحیح مسلم ۱۵۰۹/۳ (۱۸۹۹)۔

اُمّ المومنین! سرکارِ دوعالم ﷺ گھر کے باہر جو ارشادات فرماتے ہیں اور گھر کے باہر جیسی زندگی گزارتے ہیں وہ تو ہم سب کو پتہ ہے، لیکن یہ بتایئے کہ گھر میں کیا عمل کرتے ہیں؟ (ان کے ذہن میں یہ ہوگا کہ گھر میں جاکر مصلّی بچھاتے ہوں گے اور نماز اور ذکر و اذکار اور تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہوں گے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

> ''جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے ہیں تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں اور ہمارا دُکھ درد بھی سنتے ہیں، ہمارے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، ہمارے ساتھ گھلے ملے رہتے ہیں۔ البتہ ایک بات ہے کہ جب اذان کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس طرح اُٹھ کر چلے جاتے ہیں جس طرح ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔''(۱)

اعلیٰ درجے کا صدقہ

تیسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

جاء رجل إلى النبيﷺ، فقال: يا رسول الله! أي الصدقة أعظم أجرا؟ قال: «أن تصدق وأنت صحيح شحيح تخشى الفقر، وتأمل الغنى،

(۱) صحیح مسلم ۵۱۰/۱ (۷۳۹)۔

ولاتمهل حتى إذا بلغت الحلقوم. قلت: لفلان كذا ولفلان كذا، وقد كان لفلان».[1]

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ سب سے زیادہ ثواب والا صدقہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اعلیٰ درجے کا صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی صحت کی حالت میں صدقہ کرو اور ایسے وقت صدقہ کرو، جب تمہارے دل میں مال کی محبت ہو اور دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مال ایسی چیز ہے کہ اسے یونہی لٹادیا جائے اور مال خرچ کرنے میں تکلیف بھی ہورہی ہو اور یہ بھی اندیشہ ہو کہ صدقہ کرنے کے نتیجے میں بعد میں فقر کا شکار ہوجاؤں گا اور بعد میں معلوم نہیں کیا حالات ہوں گے؟ اس وقت جو صدقہ کروگے وہ بڑا اجر والا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ صدقہ دینے کا خیال آیا تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ صدقہ کرنے کو ٹلاتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مرنے کا وقت بالکل قریب آجائے گا تو اس وقت کچھ وصیت کرجائیں گے کہ مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا اور اتنا مال فلاں کو دینا اور اتنا مال فلاں کام میں لگادینا وغیرہ۔ تو حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دینا؟ ارے اب وہ تمہارا مال رہا ہی نہیں وہ تو کسی اور کا ہوگیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں کوئی صدقہ کرے یا صدقہ کرنے کی وصیت کرے کہ اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے یا کسی شخص کو ہبہ کرے اور اسی

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۱۰(۱۴۱۹)۔

بیماری میں انتقال ہوجائے تو اس صورت میں صرف ایک تہائی مال کی حد تک صدقہ نافذ ہوگا اور باقی دو تہائی مال ورثاء کو ملے گا اس لیے کہ وہ وارثوں کا حق ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے بیماری ہی میں اس مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے[1]۔

سوچا یہ تھا کہ آخری عمر میں جاکر سارا مال کسی صدقہ جاریہ میں لگادیں گے تو ساری عمر ثواب ملتا رہے گا۔ حالانکہ وہ تو حالت مجبوری کا صدقہ ہے اور اجر وثواب والا صدقہ تو وہ ہے جو صحت کے وقت میں مال کی ضرورت اور محبت اور اس کے جمع کرنے کے خیال کے وقت میں کیا جائے۔

وصیت ایک تہائی مال کی حد تک نافذ ہوتی ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیجیے کہ بعض لوگ وصیت کے خواہشمند تو ہوتے ہیں کہ صدقہ جاریہ میں کوئی چیز لگ جائے اور مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب ملتا رہے، لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں یہ وصیت لکھ گئے کہ میرے مرنے کے بعد اتنا مال فلاں ضرورت مند کو دے دیا جائے تو یہ وصیت صرف ایک تہائی کی حد تک نافذ ہوگی ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ

> ''صدقہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا ہے اس پر ابھی عمل کرلو۔''

---

(۱) تحفۃ الفقہاء ۲۱۲/۳۔ طبع دار الکتب العلمیۃ۔

اپنی آمدنی کا ایک حصہ صدقہ کرنے کے لیے علیحدہ کردو

اور اس کا ایک طریقہ میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کرچکا ہوں جس کا بزرگوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ اس پر اگر انسان عمل کرلے تو پھر صدقہ کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے ورنہ ہم لوگ تو نیک کام کو ٹلانے کے عادی بن چکے ہیں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ کی جو آمدنی ہے اس کا ایک حصہ مقرر کرلیں کہ یہ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے، چاہے وہ دسواں حصہ مقرر کریں یا بیسواں حصہ وغیرہ اور پھر جب آمدنی آئے تو اس میں سے وہ مقرر حصہ نکال کر علیحدہ رکھ دیں اور اس کے لیے کوئی لفافہ بنالیں اس میں ڈالتے جائیں۔ اب وہ لفافہ خود یاد دلاتا رہے گا کہ مجھے خرچ کرو۔ کسی صحیح مصرف پر لگاؤ، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ورنہ اگر خرچ کرنے کا موقع سامنے آتا ہے تو آدمی سوچتا رہتا ہے کہ خرچ کروں یا نہ کروں، لیکن جب وہ لفافہ موجود ہوگا اور پہلے سے اس کے اندر پیسے موجود ہوں گے تو وہ خود یاد دلائے گا اور موقع سامنے آنے کی صورت میں سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق یہ معمول بنالے تو اس کے لیے خرچ کرنا آسان ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں گنتی نہیں دیکھی جاتی

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے یہاں گنتی اور تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ جذبہ اور اخلاص دیکھا جاتا ہے ایک آدمی جس کی آمدنی سو روپے ہے وہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے وہ اس آدمی کے برابر ہے جس کی آمدنی ایک لاکھ روپے

ہے اور ایک ہزار روپے اللہ کی راہ میں دیتا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ ایک روپیہ دینے والا اپنے اخلاص کی وجہ سے اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اس واسطے گنتی کو نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنی ہے، تو پھر اپنی آمدنی کا تھوڑا سا حصہ اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کردو۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ کا معمول

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصہ علیحدہ لفافے میں رکھ دیا کرتے تھے اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا، اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اس کا دسواں حصہ نکال کر اس کی ریزگاری کرا کر اس لفافے میں ڈال دیتے اور اگر سو روپے آئے ہیں تو دس روپے ڈال دیتے وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں، اب کیا کریں، اس کے لیے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا، لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے تخلّف نہیں دیکھا اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر بھی خالی نہیں دیکھا۔ الحمدللہ! اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب آدمی اس طرح نکال نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو اور کسی صحیح مصرف پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انفاق کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کرے

ایک صاحب ایک مرتبہ کہنے لگے کہ صاحب! ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں ہم کہاں سے خرچ کریں؟ میں نے عرض کیا کہ ایک روپیہ ہے؟ اور ایک روپیہ میں ایک پائی نکال سکتے ہو؟ فقیر سے فقیر آدمی کے پاس بھی ایک روپیہ ضرور ہوتا ہے اور ایک روپیہ سے ایک پیسہ نکالنے میں کوئی بڑی کمی نہیں ہوجائے گی؟ بس ایک پیسہ نکال دو۔ تو اس شخص کے ایک پیسے نکالنے میں اور دوسرے شخص کے ایک لاکھ میں سے ایک ہزار نکالنے میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے مقدار کو نہ دیکھو، بلکہ جس وقت جو جذبہ پیدا ہوا اس پر عمل کرلو۔

یہ ہے اپنی اصلاح کا نسخہ اکسیر۔ بس اپنے آپ کو ٹلانے سے بچاؤ۔ اگر انسان اس پر عمل کرلے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے لیے صحیح راہ پر مال خرچ کرنے کے بڑے راستے پیدا ہوجاتے ہیں اور مال خرچ کرنے کے فضائل حاصل ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

کس کا انتظار کررہے ہو؟

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: «بادروا بالأعمال سبعا، هل تنتظرون إلا فقرًا منسيا، أو غني مطغيا، أو مرضا مفسدا، أو هرما مفندا أو موتا مجهزا أو الدجال فشر غائب ينتظر، أو الساعة فالساعة أدهى وأمر»، او كما قال صلى الله عليه

وسلم(۱)

یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں "مبادرت الی الخیرات"، یعنی نیک کاموں کی طرف بڑھنے کی جلدی سے فکر کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بادروا بالاعمال سبعا"

سات چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو، جس کے بعد اچھا عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا اور پھر ان سات چیزوں کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔

کیا فقر کا انتظار ہے؟

"هل تنتظرون الا فقراً منسياً"

کیا تم نیک اعمال کرنے کے لیے ایسے فقر و فاقے کا انتظار کر رہے ہو جو بھلا دینے والا ہو؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تمہیں خوش حالی میسر ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے، کھانے پینے کی تنگی نہیں ہے اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ان حالات میں اگر تم نیک اعمال کو ٹال رہے ہو تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ جب موجودہ خوشحالی دور ہو جائے گی اور خدا نہ کرے فقر و فاقہ آجائے گا اور اس فقر و فاقے کے نتیجے میں تم اور چیزوں کو بھول جاؤ گے تو اس وقت نیک اعمال کروگے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ اس خوشحالی کے زمانے میں تو عیش ہیں اور مزے ہیں اور پھر جب دوسرا وقت آئے گا تو اس

(۱) سنن الترمذی ١٤١/٤ (٢٣٠٦) وقال هذا حديث حسن.

میں نیک عمل کریں گے، تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جب مالی تنگی آجائے گی تو اس وقت نیک اعمال سے اور دور ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ ضروری کام بھی بھول جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اور تمہیں مالی پریشانی لاحق ہو، معاشی طور پر تنگی کا سامنا ہو،اس سے پہلے پہلے جو کچھ تمہیں خوشحالی میسر ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اس کو نیک عمل میں صرف کرو:

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

آگے فرمایا:

"او غنیً مطغیا"

یا تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو انسان کو سرکش بنادے؟ یعنی اگر اس وقت بہت زیادہ مالدار نہیں ہو اور یہ خیال کررہے ہو کہ ابھی ذرا مالی تنگی ہے یا یہ کہ مالی تنگی تو نہیں ہے، لیکن دل چاہ رہا ہے کہ ذرا اور پیسے آجائیں اور دولت مل جائے تب نیک اعمال کریں گے۔ یاد رکھو! اگر مالداری زیادہ ہوگئی او روپیسے بہت زیادہ آگئے اور دولت کے انبار جمع ہوگئے تو اس کے نتیجے میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مال و دولت تمہیں اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کردے۔ اس لیے کہ انسان کے پاس جب مال زیادہ ہوتا ہے اور عیش و آرام زیادہ میسر آجاتا ہے وہ خدا کو بھلا بیٹھتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

"او مرضاً مفسداً"

یا ایسی بیماری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہاری صحت کو خراب کردے؟ یعنی اس وقت تو صحت ہے، طبیعت ٹھیک ہے، جسم میں طاقت اور قوت ہے۔ اگر اس وقت کوئی عمل کرنا چاہو گے تو آسانی کے ساتھ کرسکو گے تو کیا نیک عمل کو اس لیے ٹلا رہے ہو کہ جب یہ صحت رخصت ہوجائے گی اور خدا نہ کرے جب بیماری آجائے گی تو پھر نیک عمل کریں گے۔ ارے جب صحت کی حالت میں نیک عمل نہیں کرپائے تو بیماری کی حالت میں کیا کرو گے؟ اور پھر بیماری خدا جانے کیسی آجائے اور کس وقت آجائے، تو قبل اس کے کہ وہ بیماری آئے نیک عمل کرلو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

"او ھرماً مفنداً"

یہ تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ اور یہ خیال کر رہے ہو کہ ابھی تو ہم جوان ہیں، ابھی تو ہماری عمر ہی کیا ہے، ابھی تو دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ اس جوانی کے زمانے کو ذرا عیش اور لذتوں کے ساتھ گزر جانے دو، پھر نیک عمل کرلیں گے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ حالانکہ بعض اوقات بڑھاپے میں انسان کے حواس خراب ہوجاتے ہیں اور اگر کوئی کام کرنا بھی چاہے نہیں کرپاتا، تو قبل اس کے کہ بڑھاپے کا دور آئے اس سے پہلے نیک عمل کرلو۔ بڑھاپے میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت اور اب گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی اس وقت اگر گناہ سے بچ بھی گئے تو کیا کمال کرلیا؟ جب جوانی ہو، طاقت موجود ہو، گناہ کرنے کے سامان موجود ہوں، گناہ کرنے کے اسباب

موجود ہوں، گناہ کرنے کا جذبہ دل میں موجود ہو، اس وقت اگر انسان گناہ سے بچ جائے تو درحقیقت یہ ہے پیغمبرانہ طریقہ۔ چنانچہ اسی کے بارے میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وقتِ پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، وہ اس لیے پرہیزگار نہیں بنا کہ اس کو کسی اخلاقی فلسفے نے پرہیزگار بنادیا یا اس کے دل میں خدا کا خوف آ گیا بلکہ اس لیے پرہیزگار بن گیا کہ اب کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ کسی کو چیر پھاڑ کر کھا نہیں سکتا۔ اب وہ طاقت ہی باقی نہیں رہی اس لیے ایک گوشے کے اندر پرہیزگار بنا بیٹھا ہے۔ یاد رکھو! جوانی کے اندر توبہ کرنا یہ ہے پیغمبری کا شیوہ ہے، یہ ہے پیغمبروں کا شعار۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیے کہ بھرپور جوانی ہے، طاقت، قوت ہے، حالات میسر ہیں اور گناہ کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن اس وقت زبان پر یہ کلمہ آتا ہے:

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ (۱)

''اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔''

یہ ہے پیغمبری کا شیوہ کہ انسان جوانی کے اندر گناہ سے تائب ہوجائے جوانی کے اندر انسان نیک عمل کرے۔ بڑھاپے میں تو اور کوئی کام بن نہیں

(۱) سورۃ یوسف آیت (۲۳)۔

پڑتا، ہاتھ چلانے کی سکت ہی نہیں۔ اب گناہ کیا کرے؟ گناہ کے مواقع ہی ختم ہوگئے۔ اس لیے حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جب بوڑھے ہوجائیں گے تب نیک عمل کریں گے، تب نماز شروع کریں گے، اس وقت اللہ کو یاد کریں گے۔ اگر حج فرض ہوگیا تو یہ سوچتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہوجائے گی تب جائیں گے۔ خدا جانے کتنے دن کی زندگی باقی ہے، کتنی مہلت ملی ہوئی ہے؟ بڑھاپا آتا ہے یا نہیں، اگر بڑھاپا آ بھی گیا تو معلوم نہیں اس وقت حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں۔ اس لیے اسی وقت کرگزرو۔

کیا موت کا انتظار ہے؟

"او موتاً مجهزاً"

یا تم اس موت کا انتظار کررہے ہو جو اچانک آجائے۔ ابھی تو تم نیک اعمال کو ٹلا رہے ہو کہ کل کرلیں گے پرسوں کرلیں گے، کچھ اور وقت گزر جائے تو شروع کردیں گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ موت اچانک بھی آسکتی ہے؟ بعض اوقات تو موت پیغام دیتی ہے، الٹی میٹم دیتی ہے، لیکن بعض اوقات بغیر الٹی میٹم کے بھی آجاتی ہے اور آج کی دنیا میں تو حادثات کا یہ عالم ہے کہ کچھ معلوم نہیں کس وقت انسان کے ساتھ کیا ہوجائے؟ ویسے تو اللہ تعالیٰ نوٹس بھیجتے رہتے ہیں۔

ملک الموت سے ملاقات

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کی ایک مرتبہ ملک الموت سے ملاقات

ہوگئی (خدا کو معلوم کیسی حکایت ہے، لیکن بہرحال عبرت کی حکایت ہے) تو اس نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب: آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے جب آپ کی مرضی ہوتی ہے آدھمکتے ہیں۔ دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو پہلے سے اس کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہونے والا ہے، اس کے لیے تیار ہوجانا اور آپ تو نوٹس کے بغیر چلے آتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ارے بھائی! میں تو اتنے نوٹس دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی نہیں دیتا ہوگا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ کوئی نوٹس سنتا ہی نہیں؟ تمہیں معلوم نہیں کہ جب بخار آتا ہے تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سر میں درد ہوتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب بڑھاپا آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سفید بال آجاتے ہیں تو میرا نوٹس ہوتا ہے، جب آدمی کے پوتے پیدا ہوجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، میں تو مسلسل نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ تم سنتے ہی نہیں۔ یہ ساری بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں کہ دیکھو! وقت آنے والا ہے۔ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

> أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ [1]
>
> "یعنی (آخرت میں ہم تم سے پوچھیں گے کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی، جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کرلیتا

---

(۱) سورۃ فاطر آیت (۳۷)۔

اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آ گیا تھا۔“

یہ کون ڈرانے والا آیا تھا؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر لوگوں کو ڈرایا کہ موت کا وقت جب آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”نذیر“ سے مراد سفید بال ہیں[1]، جب سر میں یا داڑھی میں سفید بال آ گئے تو یہ ”نذیر“ ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے کہ اب وقت قریب آ رہا ہے تیار ہو جاؤ یا پوتا پیدا ہو جائے تو یہ پوتا ”نذیر“ ہے ڈرانے والا ہے کہ اب وقت آنے والا ہے، تیار ہو جاؤ۔ اسی کو کسی عربی شاعر نے ایک شعر میں نظم کر دیا ہے کہ ؎

اذا الرجال ولدت اولادها
و بليت من كبر اجسادها
وجعلت اسقامها تعتادها
تلك زروع قد دنا حصادها

یعنی جب انسان کی اولاد پیدا ہو جائے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہو جائے اور بیماری یکے بعد دیگرے آنے لگیں کبھی، ایک بیماری، کبھی دوسری بیماری ایک بیماری ٹھیک ہوئی تو دوسری آ گئی، تو سمجھ لو کہ یہ وہ کھیتیاں ہیں جن کی کٹائی کا وقت آ گیا ہے۔

(۱) تفسیر طبری ۳۸۷/۱۹۔ طبع دار ہجر۔

بہرحال! سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں۔ اگرچہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ نوٹس آتے رہتے ہیں، لیکن بعض اوقات موت اچانک بغیر نوٹس کے بھی آجاتی ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ تم ایسی موت کا انتظار کررہے ہو جو نوٹس دیے بغیر اچانک آجائے۔ کیا معلوم کہ کتنے سانس ابھی باقی ہیں۔ اس کا انتظار کیوں کررہے ہو؟

کیا دجّال کا انتظار ہے؟

اس کے بعد فرمایا:

"اوالدَّجَال"

کیا تم دجّال کا انتظار کررہے ہو؟ اور یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی تو زمانہ نیک عمل کے لیے سازگار نہیں ہے۔ تو کیا دجّال کا زمانہ سازگار ہوگا؟ جب دجال ظاہر ہوگا تو کیا اس فتنے کے عالم میں نیک عمل کرسکو گے؟ خدا جانے اس وقت کیا عالم ہو، گمراہی کے کیسے محرکات اور دواعی پیدا ہوجائیں تو کیا تم اس وقت کا انتظار کررہے ہو؟

"فشر غائب ینتظر"

یعنی دجال اَن دیکھی چیزوں میں بدترین چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے، بلکہ اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔

کیا قیامت کا انتظار ہے؟

اور آخر میں فرمایا:

"أو الساعة، فالساعة ادهی و أمر"

یا پھر قیامت کا انتظار کر رہے ہو؟ تو سن رکھو کہ قیامت جب آئے گی تو اتنی مصیبت کی چیز ہوگی کہ اس مصیبت کا کوئی علاج انسان کے پاس نہیں ہوگا، لہٰذا اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔

ساری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو ٹلاؤ نہیں اور آج کے نیک عمل کو کل پر مت چھوڑو، بلکہ جب نیک عمل کا جذبہ پیدا ہو، اس پر فوراً ابھی عمل کرلو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر ومضامین کا موضوع وار مجموعہ
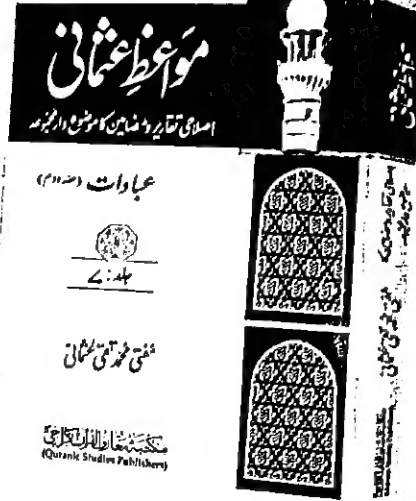
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فردکی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکروفکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر درسفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات وخطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)